صحبتے با اولیاء

مرتب

یک زمانہ صحبتے با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبتے با اولیاء

ملفوظات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ

جس میں

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے وہ مجلسی ملفوظات وارشادات ہیں جن سے اصلاح نفس، فکر آخرت، ایمان ویقین کی کیفیت پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اور تصوف واحسان کے رموز وآداب دلنشیں ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ کے ساتھ

مرتب:

مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

پروفیسر حدیث جامعۃ الامارات (العین)

بانی وسرپرست:

جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی

مظفر پور اعظم گڑھ (یوپی)

نام کتاب: صحبتے با اولیاء

مؤلف: مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

کمپوزنگ: مشتاق احمد غازیپوری

سن طباعت: ۲۰۱۵ء ۱۴۳۶ھ

تعداد: گیارہ سو (۱۱۰۰)

ناشر: شعبۂ نشر واشاعت جامعہ اسلامیہ، مظفرپور اعظم گڑھ

مطبع:

قیمت: ۲۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفرپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

(۲) مکتبہ یحیوی محلّہ مبارک شاہ، سہارنپور، یوپی

(۳) مکتبہ ابوالحسن علی ندوی نزد مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین صحبتے با اولیاء

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مقدمہ: از مرتب	۲۱
۲	مقدمہ: از مولانا ابوالحسن علی ندوی	۲۳
۳	تاثرات: مولانا شاہ معین الدین ندوی	۳۳
۴	عرض حال: از مرتب	۳۵
۵	حضرت شیخ الحدیث کے معمولات ونظام الاوقات از: حضرت مولانا مدظلہ العالی	۴۲
۶	مہمانوں اور معتکفین کے قیام کا نظم وانتظام	۵۳
۷	**پہلی مجلس**	۵۵
۸	ماہ مبارک کے مشاغل میں انہماک واستغراق	۵۵
۹	پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ	۵۷
۱۰	حضرت اقدس کا ماہ مبارک میں تلاوت کا معمول	۵۸
۱۱	حکیم طیب کا مقولہ، کیا رمضان بخار کی طرح آتا ہے؟	۵۹
۱۲	**دوسری مجلس**	۶۱
۱۳	حضرت اقدس کا پہلا سفر حج	۶۱

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
۱۴	حضرت سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا محبّ الدین صاحب کا ارشاد	۶۳
۱۵	مولانا محبّ الدین صاحب کا ایک کشف	۶۴
۱۶	مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کا پُرخطر سفر	۶۵
۱۷	مدینہ منورہ میں تین دن کے بجائے ایک چلہ قیام کی غیبی صورت	۶۶
۱۸	روضۂ پاک پر درخواست اور واپسی کی غیبی صورت	۶۷
۱۹	ایک استفتاء	۶۸
۲۰	جمل حسیر کا مطلب	۶۸
۲۱	حضرت سہارنپوریؒ کی نماز	۶۹
۲۲	حضرت رائے پوریؒ کے ۴۵ھ کے سفرحج کا ایک قصہ	۶۹
۲۳	حجاج کے مادی سوغات لانے پر اظہار ناپسندیدگی	۷۰
۲۴	قدوائی صاحب سابق سفیر ہند برائے حجاز کا مکتوب	۷۲
۲۵	**تیسری مجلس**	۷۳
۲۶	حضرت رائے پوریؒ کا ایک مجاہدہ	۷۳
۲۷	چچا جان کا مجاہدہ	۷۴

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۷۵	حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا مجاہدہ	۲۸
۷۶	تقویٰ کسے کہتے ہیں؟	۲۹
۷۹	ایک دیہاتی مبلغ کا قصہ	۳۰
۸۰	ایک بزرگ کا مجاہدہ	۳۱
۸۰	صوفی عبدالرب کا قصہ	۳۲
۸۳	مہمانوں کی برکت سے حق تعالیٰ کھلاتا ہے	۳۳
۸۴	**چوتھی مجلس**	۳۴
۸۴	جو بزرگوں کی ابتداء کو دیکھے وہ کامیاب اور جو انتہا کو دیکھے وہ ناکام	۳۵
۸۶	شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری معروف بہ میاں صاحب کا قصہ	۳۶
۸۶	اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے	۳۷
۸۷	حق تعالیٰ کی رضا و اخلاص کی برکت	۳۸
۹۱	ہر نیکی صدقہ ہے	۳۹
۹۲	تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ	۴۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۱	**پانچویں مجلس**	۹۸
۴۲	ایک ضروری تنبیہ	۹۸
۴۳	مدارس کی سرپرستی سے ڈرتے رہنا چاہئے	۹۸
۴۴	مدارس کے معاملات میں ہمارے اکابر کی احتیاط وتورع	۹۹
۴۵	مدارس میں اسباب تعیش کا میں مخالف ہوں	۱۰۲
۴۶	اپنے مکان میں بجلی لگوانے کی مخالفت	۱۰۲
۴۷	سادگی	۱۰۳
۴۸	**چھٹی مجلس**	۱۰۵
۴۹	ہر چیز میں میری تقلید نہ کرو	۱۰۵
۵۰	کتابوں کی رائلٹی	۱۰۶
۵۱	بغیر واقفیت کے مسائل میں رائے زنی گمراہ کن ہے	۱۰۶
۵۲	حوادث پر صبر جمیل	۱۰۸
۵۳	نماز میں لقمہ کا لطیفہ	۱۰۹
۵۴	بمئے سجادہ رنگیں کن......الخ کا مطلب	۱۱۰
۵۵	عملیات وتعویذات	۱۱۱
۵۶	**ساتویں مجلس**	۱۱۲

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۱۲	حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت اور ذکر میں انہماک	۵۷
۱۱۴	اوقات کی قدر و قیمت	۵۸
۱۱۶	**آٹھویں مجلس**	۵۹
۱۱۶	حضرت مدنیؒ و حضرت رائے پوریؒ کے اخلاق، ۱۱ منٹ میں ۱۲/آدمیوں کا کھانا پکانا	۶۰
۱۲۰	**نویں مجلس**	۶۱
۱۲۰	رمضان المبارک میں قلت طعام سے ضعف نہیں پیدا ہوتا	۶۲
۱۲۱	محبت کی تنقید بری نہیں معلوم ہوتی	۶۳
۱۲۳	اسٹرائک سے نفرت	۶۴
۱۲۶	جو اللہ کے سامنے جھک جائے اس کے سامنے ساری مخلوقات جھک جاتی ہے	۶۵
۱۲۷	**دسویں مجلس**	۶۶
۱۲۷	تنقید اگر اخلاص پر مبنی ہو تو محمود ہے	۶۷
۱۳۰	**گیارہویں مجلس**	۶۸
۱۳۰	سکوت کی مجلس	۶۹
۱۳۰	اللہ کے احسانات کا شکر	۷۰

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
۷۱	**بارہویں مجلس**	۱۳۱
۷۲	دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ اللہ سے کرو	۱۳۱
۷۳	صرف چار احادیث انسان کے دین کے لیے کافی ہیں	۱۳۳
۷۴	**تیرہویں مجلس**	۱۳۷
۷۵	**چودہویں مجلس**	۱۴۱
۷۶	اللہ ورسولؐ کے ارشادات میں دین و دنیا کی بھلائی ہے	۱۴۱
۷۷	بیعت کی حقیقت	۱۴۴
۷۸	اجازت کی ذمہ داری	۱۴۵
۷۹	رمضان میں حضرت مدنیؒ سے مکاتبت	۱۴۶
۸۰	**پندرہویں مجلس**	۱۴۷
۸۱	دوستی و دشمنی میں راہِ اعتدال	۱۴۷
۸۲	تعمیر حیات کا مضمون	۱۴۷
۸۳	**سولہویں مجلس**	۱۴۹
۸۴	مجاہدہ	۱۴۹
۸۵	مہمانوں کا اکرام	۱۴۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۸۶	اپنا شام کا کھانا چھوڑنے کا قصہ	۱۵۰
۸۷	رمضان کا اِدبار	۱۵۰
۸۸	کاندھلہ کے افطار وسحری کا طریقہ	۱۵۱
۸۹	اوقات کی پابندی	۱۵۱
۹۰	اصل چیز مرید کی طلب ہے	۱۵۲
۹۱	باوضو سبق کا پڑھنا	۱۵۳
۹۲	حضرت سہارنپوریؒ کے سامنے پان کھانے سے احتراز	۱۵۴
۹۳	طلباء کا اجتماع	۱۵۴
۹۴	**سترہویں مجلس**	۱۵۶
۹۵	اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کیے بغیر نہیں رہتا	۱۵۶
۹۶	نسبت کے اقسام اربعہ	۱۵۷
۹۷	(۱) نسبت انعکاسی	۱۵۹
۹۸	(۲) نسبت القائی	۱۶۱
۹۹	(۳) نسبت اصلاحی	۱۶۳
۱۰۰	(۴) نسبت اتحادی	۱۶۳

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۶۶	کبھی شاگرد استاد سے بڑھ سکتا ہے	۱۰۱
۱۶۶	ایک مبلغ کا خواب	۱۰۲
۱۶۸	**اٹھارہویں مجلس**	۱۰۳
۱۶۸	ہر تنقید قابل قبول نہیں	۱۰۴
۱۶۹	تھانہ بھون حاضری اور وہاں قرآن سننے کی فرمائش	۱۰۵
۱۷۰	مدینہ پاک میں تجوید شروع کرنے کا قصہ	۱۰۶
۱۷۱	**انیسویں مجلس**	۱۰۷
۱۷۱	خانقاہوں کی بربادی پر اظہار افسوس اور مدارس میں اسٹرائک کا سبب	۱۰۸
۱۷۳	امسال اور گذشتہ سال کے رمضان میں موازنہ	۱۰۹
۱۷۴	تنہائی کا رونا	۱۱۰
۱۷۴	مردمومن موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے	۱۱۱
۱۷۶	**بیسویں مجلس**	۱۱۲
۱۷۶	کارخود کن کار بگذر راز گفتار	۱۱۳
۱۷۸	طول لباس کو مشیخت سے خاص مناسبت ہے	۱۱۴
۱۷۸	اپنے شیخ کے حکم سے سرتابی حرمان نصیبی کا سبب ہے	۱۱۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۱۶	حضرت تھانویؒ کا بڑے حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں ارشاد	۱۷۹
۱۱۷	**اکیسویں مجلس**	۱۸۰
۱۱۸	ذوق وشوق ہوتو ہر منزل آسان ہوجاتی ہے	۱۸۱
۱۱۹	سماع وعرس وغیرہ کی حقیقت	۱۸۱
۱۲۰	بے تحقیق حکم لگانا ناجائز ہے	۱۸۴
۱۲۱	''فضائل درود'' کی ایک حکایت پر ایک اہم تنبیہ	۱۸۴
۱۲۲	**بائیسویں مجلس**	۱۸۶
۱۲۳	ذاکرین ومجاہدین کے لیے اکمال وارشاد کا مطالعہ ضروری ہے	۱۸۶
۱۲۴	یہاں بامقصد آنے سے خوشی ہوتی ہے	۱۸۷
۱۲۵	بوریا نشینی کو ترجیح	۱۸۷
۱۲۶	یکسوئی کا رمضان	۱۸۸
۱۲۷	دارجدید کی مسجد میں اعتکاف کا آغاز	۱۹۰
۱۲۸	شیطان کبھی اہم کام سے ہٹا کر غیر اہم میں مشغول کردیتا ہے	۱۹۱
۱۲۹	**تیئیسویں مجلس**	۱۹۲
۱۳۰	دعاء کے درجات	۱۹۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۳۱	کیمیا گر کا قصہ	۱۹۴
۱۳۲	**چوبیسویں مجلس**	۱۹۶
۱۳۳	علی گڑھ کے ڈاکٹروں کی آمد	۱۹۶
۱۳۴	ایک تنبیہ	۱۹۷
۱۳۵	کام انہماک سے ہوتا ہے	۱۹۸
۱۳۶	یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو	۱۹۹
۱۳۷	ایک آدمی میں تین اشخاص	۲۰۰
۱۳۸	اوقات کی تعیین	۲۰۱
۱۳۹	**پچیسویں مجلس**	۲۰۳
۱۴۰	اپنی جھنجھانہ کی جائداد سے بے تعلقی کا اظہار	۲۰۳
۱۴۱	**چھبیسویں مجلس**	۲۰۵
۱۴۲	لالچ بقدر ضرورت و برمحل اچھی چیز ہے ورنہ بری	۲۰۵
۱۴۳	موسمی پھل اپنے موسم میں نقصان دہ نہیں	۲۰۷
۱۴۴	موت کا مراقبہ	۲۰۷
۱۴۵	**ستائیسویں مجلس**	۲۰۹
۱۴۶	اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں	۲۰۹

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۲۱۱	کاروبار زندگی میں مشغول رہ کر بھی آدمی ولی بن سکتا ہے	۱۴۷
۲۱۲	ذکر اگر آداب سے کیا جائے تو رذائل دور ہو جائیں گے	۱۴۸
۲۱۳	**اٹھائیسویں مجلس**	۱۴۹
۲۱۳	سہارنپور کی دینداری	۱۵۰
۲۱۴	حضرت گنگوہیؒ کا نماز عید کے لیے تشریف لے جانا	۱۵۱
۲۱۵	حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ مجددی بھوپالی کی سہارنپور تشریف آوری	۱۵۲
۲۱۹	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی سے ایک ملاقات	۱۵۳
۲۲۱	**انتیسویں مجلس**	۱۵۴
۲۲۱	یہاں کے اثرات کو باقی رکھنے کی صورت	۱۵۵
۲۲۲	میں خواہشمند کو اجازت نہیں دیتا	۱۵۶
۲۲۲	''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' کا مطلب	۱۵۷
۲۲۳	جو دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اس کے پاس یہ ذلیل ہو کر آتی ہے	۱۵۸
۲۲۶	**تیسویں مجلس**	۱۵۹
۲۲۶	عید کی نماز کا اعلان	۱۶۰

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
۱۶۱	مربی حقیقی حق تعالیٰ ہے شیخ صرف وسیلہ ہے	۲۲۷
۱۶۲	اخلاص وخوشامد سے مانگنے کی لذت	۲۲۸
۱۶۳	روپئے کا نشہ	۲۲۹
۱۶۴	اکابر کے طریقہ کو لازم پکڑو	۲۲۹
۱۶۵	**ضمیمہ**	۲۳۱
۱۶۶	تبلیغی جماعت اور مدارس	۲۳۱
۱۶۷	مشاجرات صحابۂ کرامؓ تکوینی طور پر تکمیل دین کے لیے پیش آئے	۲۳۳
۱۶۸	علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے اور مخالفت بری	۲۳۵
۱۶۹	آپس کے اختلافات میں راہِ اعتدال	۲۳۷
۱۷۰	ہمارے اکابر کی طبائع میں تضاد تھا مگر اس کے باوجود ایک تھے	۲۴۰
۱۷۱	اللہ والوں سے ڈرتے رہنا چاہئے	۲۴۱
۱۷۲	اکابر کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق	۲۴۳
۱۷۳	ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است	۲۴۴
۱۷۴	بڑوں سے انتساب اس وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی میں کوئی ذاتی کمال ہو	۲۴۵

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۲۴۵	پریشانی کا سبب کوئی معصیت ہوتی ہے	۱۷۵
۲۴۶	اکثر مصائب کا سبب زباں درازیاں ہیں	۱۷۶
۲۴۷	’’آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا‘‘	۱۷۷
۲۵۰	ٹائم ٹیبل کا قصہ	۱۷۸
۲۵۲	انسان کے مقدر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے	۱۷۹
۲۵۷	تقدیر و تدبیر کی لڑائی	۱۸۰
۲۵۹	منجانب اللہ سفر حج کے انتظامات اور مدرسہ کی تنخواہ نہ لینے کا واقعہ	۱۸۱
۲۶۴	روزی انسان کو تلاش کرتی ہے	۱۸۲
۲۶۵	مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے استغناء کا ایک قصہ	۱۸۳
۲۶۶	کرنل اقبال صاحب کا قصہ	۱۸۴
۲۶۸	داد او را قابلیت شرط نیست	۱۸۵
۲۶۹	ماثور دعاؤں کی تاثیر	۱۸۶
۲۷۰	ایک خصوصی سوال	۱۸۷
۲۷۰	سند سے زیادہ استعداد مطلوب ہے	۱۸۸
۲۷۱	ایک شب میں ختم قرآن	۱۸۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۹۰	حفظ قرآن	۲۷۲
۱۹۱	اپنے مشائخ کے لیے ایصال ثواب کی خصوصی تاکید	۲۷۳
۱۹۲	ہمارے اکابر کے یہاں اخفاء ہے	۲۷۳
۱۹۳	اکابر کی دعاء کے ساتھ حرکت کی ضرورت ہے	۲۷۴
۱۹۴	ایک تاجر کا کارنامہ	۲۷۵
۱۹۵	اصل علاج روح کا ہے	۲۷۵
۱۹۶	دنیا مسافر خانہ ہے	۲۷۷
۱۹۷	ایک غیبی مدد	۲۷۸
۱۹۸	عادت کو عبادت کا درجہ نہ دیا جائے	۲۷۹
۱۹۹	نماز کے اوقات کے اسرار	۲۲۹
۲۰۰	فکر آخرت	۲۸۳
۲۰۱	حضرت ولی اللہ صاحبؒ کے والد صاحبؒ کا واقعہ	۲۸۴
۲۰۲	آداب کی رعایت	۲۸۵
۲۰۳	طالب کے لیے بیعت مفید ورنہ غیر مفید	۲۸۶
۲۰۴	علماء ومدرسین سے خصوصی خطاب	۲۸۷
۲۰۵	۱۳۹۱ھ کا رمضان المبارک	۲۸۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲۰۶	قابل رشک موت	۲۹۰
۲۰۷	تبلیغی جماعت کی ضرورت	۲۹۱
۲۰۸	بیعت کا طریقہ	۲۹۵
۲۰۹	ختم خواجگان	۲۹۶
۲۱۰	طالب صادق کی کامیابی یقینی ہے	۲۹۶
۲۱۱	خاتمہ	۲۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد!

یہ ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے رمضان المبارک کی مجالس کے افادات کا مجموعہ ہے، جن کی خانقاہ ماضی کی خانقاہوں کی یاد تازہ کرتی تھی، الحمدللہ اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی یہ کتاب شائع ہوکر بے حد مقبول ہوئی اور حضرت کی مجالس میں پڑھی گئی، دیگر اکابر خاص طور سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خانقاہوں میں بار بار یہ کتاب سنائی گئی، اس کا انگریزی ترجمہ جنوبی افریقہ سے کیا گیا، اسی طرح گجراتی اور بنگالی زبان میں بھی اس کے ترجمے شائع ہوئے، فرانسیسی زبان مین بھی ری یونین سے ہمارے ایک دوست اس کا ترجمہ کررہے تھے بعد کا حال مجھے معلوم نہیں، اب اردو زبان میں ہندوستان میں اس کا ایڈیشن ختم ہوچکا ہے، ناظرین کے سامنے اس کا جدید ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے، اس میں مردہ دلوں کی مسیحائی ہے، اس کے پڑھنے سے قلب میں ایک نئی ایمانی لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، جس کا ذکر بہت سے علماء نے کیا جن میں خاص طور سے ہمارے حضرت مولانا شاہ معین الدین صاحب مرحوم ناظم دارالمصنفین بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری دوسری کتابوں کی طرح اس کو بھی مقبول اور نافع بنائے، **وما ذلك على الله بعزيز**.

ا۔ د تقی الدین ندوی مظاہری

۲۶/ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/ستمبر ۲۰۱۵ء

مدینۃ العین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

الحمدللہ و سلامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ !

رمضان المبارک جس طرح قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات وتجلیات کا مہینہ ہے، طاعات وعبادات کی بہار کا زمانہ ہے اور روحانیت کا جشن عام ہے اسی طرح عارفین عشاق اور عالی ہمت خاصان خدا کی دلی مراد بر آنے کا موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے، جس کے لیے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں، اولیاء متقدمین کا ذکر نہیں بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش وولولہ اور ایک نئی نشاط وامنگ پیدا ہو جاتی تھی اور وہ کبھی زبانِ حال سے یوں گویا ہوتے تھے ؎

هذا الذی كانت الأيام تنتظر　　　فليوف لله أقوام بما نذروا

اور کبھی کیف وسرور میں آ کر یوں گنگنانے لگتے تھے ؎

پلا ساقیا وہ مئے دل فروز　　　کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی وروحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی، ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے، شیخ و مرشد سے بیعت وعقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آ جاتے تھے، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف اور پروانے شمع کی طرف آ جاتے ہیں، یہ روحانی مرکز تلاوت اورنوافل وعبادات سے اس طرح معمور ہو جاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنے والا نہیں، ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں، اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا ہے اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تصویر بن جاتا ہے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی سی دیر کے لیے اس ماحول میں آ جاتا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا، افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی، بجلی کا ایک کرنٹ تھا، جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا اور مردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کر دیتا، جو شخص اس روحانی وملکوتی فضا کو دیکھتا اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اور دین وروحانیت کی شمع کے پروانے کا ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہوکر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لیے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی اور زندگی کی اس بساط کو تہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اس وقت وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس

طرح گویا ہو جاتا تھا۔

از صدِ سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است　　　　عالم نشود ویراں تا مکیدہ آباد است

افسوس ہے کہ آٹھوی صدی میں سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرہویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی خانقاہ مظہریہ واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مؤرخ نے نہیں لکھا اور وہاں ذکر و تلاوت کی سرگرمی، شب بیداری اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں ملتا، لیکن ''فوائد الفواد''، ''سیر الاولیاء''، اور ''درّ المعارف'' میں اس کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں، جو شخص ان خانقاہوں کے شب و روز اور ان مشائخ کے ذوق و شوق اور ساز و سوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کر سکتا ہے کہ ۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت اور جن علماء و مشائخ کے حصے میں ان بزرگانِ سلف اور مشائخ پیشیں کی نیابت وخلافت آئی، انہوں نے ان مناظر کو تازہ اور زندہ کر دیا، اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو خال خال ہوں گے، جنہوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانہ میں رمضان کی بہار دیکھی ہے، لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں، جنہوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے دور میں رائے پور میں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

صاحب تھانویؒ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی اور جس وقت وہ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔

ہمارے علم میں اس اخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سنت دیرینہ کو زندہ کیا اور اس کو نئی آب وتاب بخشی وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ذات بابرکات تھی، انہوں نے اپنے مخصوص طالبین ومخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کر کے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنالیا، اور اطراف واکناف بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے منتسبین اور ارادت مند پروانہ وار جمع ہونے لگے، حضرت نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک کذارا پھر کئی سال بانسکنڈی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دوسال اپنے وطن بالوف الٰہہ داد پورہ متصل ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں خاص اپنے دولت خانے پر رمضان المبارک گزارا، ان سب مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں مریدین وخدام اور اس ماہ مبارک کے قدرداں جمع ہوتے، جو آپ کے مہمان ہوتے، آپ ہی ان مقامات پر قرآن شریف سناتے، لوگ ذکر وشغل، تلاوت وعبادات میں پوری سرگرمی وعالی ہمتی سے مشغول رہتے، خدام کو بڑی کیفیات وترقیات محسوس ہوتیں اور وہ عرصے تک مزے لے کر ان پرکیف وپرسرور ساعتوں کا ذکر کرتے [۱]، اگر اللہ کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو غالباً الٰہہ داد پورہ میں یہ مبارک سلسلہ جاری رہتا اور خدا جانے کتنے بندگانِ خدا اپنی مراد کو پہنچتے اور تربیت وتکمیل کے مدارج سے گزرتے لیکن مولانا کی وفات (یوم جمعرات تاریخ ۱۳؍جمادی الاول ۱۳۷۷ھ) نے اس سلسلہ کو منقطع کردیا اور لوگ کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو مولوی عبدالحمید اعظمی کا رسالہ ''قیام سلہٹ''۔

مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا، تقسیم سے پہلے پنجاب کے اہل تعلق جن میں ایک بڑی تعداد علماء اہل مدارس اور صاحب اجازت مشائخ کی ہوتی تھی، شعبان کی آخری تاریخوں میں رمضان گذارنے کے لیے رائے پور آجاتے، اور پھر پوری یکسوئی وانہماک کے ساتھ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر دنیا سے الگ تھلگ اس گاؤں میں جس کو شہر سے ملانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہوجاتے اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں سے تشریف لے جاتے، اس زمانے میں رائے پور کی خانقاہ کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور شیخ وطالبین کا کیا حال ہوتا تھا، اس کا کچھ اندازہ راقم کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ'' سے ہوسکتا ہے۔

رائے پور کے علاوہ بہٹ ہاؤس (سہارن پور) صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی واقع جیل روڈ (لاہور) گھوڑا گلی (کوہ مری پاکستان) اور خالصہ جی کالج (لائلپور) میں بھی اس دھوم کے ساتھ رمضان گذرے کہ کئی کئی سو خدام اور اہل تعلق کا مجمع تھا، اور ذکر، تلاوت اور مجاہدہ کا زور وشور۔

اس سنت کا تسلسل واستمرار بلکہ اس کی ترقی وتوسیع اس شخصیت کے حصے میں آئی جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف وشیوخ اور اساتذہ ومربیوں کے بہت سے کارناموں کی حفاظت، بہت سی تصنیفات کی اشاعت اور بہت سی ناتمام چیزوں کی تکمیل مقدر ہوچکی تھی۔

ہمارے مخدوم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم

نے مخلصین طالبین کے ہجوم کی وجہ سے (جو خصوصیت کے ساتھ رائے پور، تھانہ بھون کے خالی ہو جانے اور مولانا مدنیؒ کی وفات کی وجہ سے تربیت وسرپرستی کے محتاج اور یکسوئی کے ساتھ کہیں رمضان گذارنے کے مشتاق تھے) ۱۳۸۵ھ سے سہارنپور میں دارالطلبہ جدید مدرسہ مظاہر علوم کی وسیع مسجد میں پورے مہینے کے اعتکاف کا معمول اختیار کیا اور طالبین واہل تعلق نے پروانہ وار اس جگہ کا رخ کیا، مقیمین اور معتکفین کی تعداد بھی تدریجاً بڑھتی چلی گئی۔

راقم السطور کو ۱۳۸۸ھ اور ۱۳۹۰ھ [1] میں چند دنوں کے لیے سہارنپور حاضر ہونے اور چند دن ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، آتے جاتے رہنے والوں کے علاوہ کئی سو کی تعداد میں صرف معتکفین تھے، تین سو، ساڑھے تین سو کا اوسط عموماً رہتا تھا، ہندوستان، پاکستان کے علاوہ حرمین شریفین، ترکی وجنوبی افریقہ اور انگلستان سے بھی اہل تعلق رمضان گذارنے اور حضرت کی صحبت بابرکات سے استفادہ کرنے کے لیے سفر کر کے آتے ہیں اور یہ سب شیخ ہی کے مہمان ہوتے ہیں، ان مختلف الاوطان، مختلف المزاج اور مختلف حیثیتوں اور معیاروں کے مہمانوں کی میزبانی اور ان کی خدمت بڑا نازک ودشوار کام ہے، خاص طور پر سب جانتے ہیں کہ رمضان المبارک میں طبیعتوں کی نزاکت اور بڑھ جاتی ہے لیکن حضرت کے مخصوص خدام جن میں مولانا نصیر الدین صاحب، مولانا منور حسین صاحب، مولانا کفایت اللہ صاحب پالن پوری

---

[1] ۱۳۸۹ھ کا رمضان حضرت شیخ کا مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ میں گذرا، اس ناچیز کو بھی نصف رمضان انہیں دنوں مکہ مکرمہ گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس کے معمولات ونظام الاوقات کا تذکرہ آپ بیتی ص ۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۲ از (حضرت مولانا)

اور بعض دوسرے حضرات قابل داد و مستحق شکر و دعا ہیں، وہ پوری بیدار مغزی و مستعدی و جفا کشی کے ساتھ ان مہمانوں کی خدمت، ناز برداری کی حد تک انجام دیتے ہیں، اس کے کسی قدر تفصیلی حالات ''سوانح یوسفی'' کے اس حصے میں دیکھے جا سکتے ہیں جو شیخ کے تذکرے پر مشتمل ہے یہ تعداد بھی روز افزوں ہے، اور اثرات و برکات بھی روز افزوں ہیں، امسال جب کہ یہ سطور قلم بند کرائی جا رہی ہیں معتکفین کی تعداد قریباً تین سو تھی [۱]۔

ان مبارک ایام [۲] میں افطار و طعام و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد اس

---

[۱] یہ تعداد صرف معتکفین کی ہے ورنہ عام مہمانوں کی تعداد اخیر عشرہ میں قریباً پانچ سو تھی۔

(تقی الدین ندوی)

[۲] ''رمضان المبارک کا نظام الاوقات'' عام طور پر صبح صادق سے ڈیڑھ دو گھنٹہ پہلے سب لوگ بیدار ہو جاتے ہیں، تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر سحری کھاتے ہیں اور اس کے بعد نوافل یا تلاوت وغیرہ میں سب لوگ صبح صادق تک مشغول رہتے ہیں، نماز اول وقت میں ہوتی ہے، نماز کے بعد ۹، ۱۰ بجے تک سب لوگ آرام کرتے ہیں، رات کا عالم معلوم ہوتا ہے، دس بجے سے ساڑھے دس بجے تک کسی کا بیان یا مواعظ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مسجد کے صحن میں سنائی جاتی ہے، اس کے بعد ظہر تک تلاوت وغیرہ کا معمول ہے، نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان اور دعا ہوتی ہے ظہر سے عصر تک ذکر کی مجلس ہوتی ہے، نماز عصر کے بعد کوئی کتاب عام طور پر ''امداد السلوک و اکمال الشیم'' سنائی جاتی ہے جو غروب سے پندرہ بیس منٹ پہلے بند کر دی جاتی ہے اور حاضرین دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں، افطار اور مغرب کی نماز اور اس کے تھوڑی دیر کے بعد کھانا اور چائے ہوتی ہے، اس کے بعد سب لوگ حضرت اقدس مد فیوضہم کی معتکف کے قریب جمع ہو جاتے ہیں، یہ ملفوظات اکثر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سال سے پہلے پہلے معمول تھا کہ سب مقیمین و معتکفین شیخ کے قریب آ جاتے اور شیخ بلا کسی اہتمام و تصنع اور ترتیب کے حاضرین کی تربیت و اصلاح اور افادہ تعلیم کے لیے کچھ ارشاد فرماتے، اس میں بزرگوں کے حالات و واقعات بھی ہوتے جن سے سننے والوں کی ہمت بلند اور عزم پختہ ہو، کچھ تصوف و سلوک کے نکات بھی، بعض علمی تحقیقات بھی، اور اپنی زندگی کے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات بھی، اور کبھی کوتاہیوں اور بعض بے عنوانیوں پر محاسبہ بھی، غرض کہ مقتضائے حال کے مطابق جو کچھ خدا دل میں ڈالتا ہے وہ بے تکلف فرما دیتے اور سب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، اور بہت سے لوگ اس کو حرزِ جان بنا لیتے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، ان کے قلم بند کرنے کا کوئی اہتمام نہ تھا، ممکن

اسی مجلس میں بیان فرمائے ہیں، البتہ امسال اس مجلس میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''نسبت صوفیہ'' وغیرہ سنائی گئی، اور اذان کے قریب حضرت اقدس بیعت فرماتے ہیں، بیعت کے وقت کا عجیب منظر ہوتا ہے جس کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے، اور عشاء کی نماز و تراویح و وتر میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے اور ہر عشرہ میں ایک ختم کا معمول ہے اور دو عشروں میں مولوی سلمان صاحب سلمہ کا تراویح پڑھنا معمول رہا ہے، بہت صاف و رواں پڑھتے ہیں، البتہ ایک عشرہ میں ہر سال مختلف لوگوں نے قرآن سنایا، وتر کے بعد ختم سورہ یٰسین و دعا کا معمول ہے اور ایک دو مرتبہ بعض لوگوں نے حفظ کی نیت سے حضرت اقدس کو قرآن سنایا، ایسے موقع پر یٰسین شریف کے بعد کی دعا اخیر میں ہوتی ہے، اس کے بعد ایک مختصر مجلس ہوتی ہے جس میں فضائل رمضان و فضائل درود سنائی جاتی ہے کبھی صرف فضائل درود کے درود تجلیات پر اکتفا کیا گیا، اس کے بعد سب حضرات نوافل و تلاوت وغیرہ معمولات میں مشغول رہتے ہیں، بعض با ہمت حضرات شب بیدار بھی رہتے ہیں عام طور پر ۱۲ بجے شب کے بعد لوگ سونے کی تیاری کرتے ہیں۔ (تقی الدین ندوی)

ہے بعض احباب اپنے اپنے طور پر بعد میں خاص خاص چیزوں کو نوٹ فرما لیتے ہوں، یہ افادیت و ملفوظات چونکہ خدا کے ایک مخلص بندے کی زبان سے نکلے ہیں اور ایک بابرکت زمانہ اور ایک پرسکینت ماحول میں ادا ہوئے ہیں، اس لیے اس کی برکت المضاعف اوران کی برکت دو چند بلکہ سہ چند ہو جاتی ہے۔

مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ عزیز گرامی مولوی تقی الدین صاحب ندوی مظاہری سلمہ نے (۸۷، ۸۸، ۸۹ھ) ان کے قلم بند و محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، وہ حضرت شیخ کے تلمیذ خاص بھی ہیں اور مرید با اختصاص بھی، پھر صاحب تصنیف و صاحب درس ہیں، اس لیے انہوں نے جو کچھ لکھا وہ حفظ و احتیاط کے ساتھ، اور جو مضمون ادا کیا فہم و تفقہ کے ساتھ، اور ملفوظات پر جا بجا نظر ڈال کر اس کی تصدیق و توثیق بھی ہوئی۔

اس لیے پوری امید ہے کہ مطالب صحیح طور پر ادا ہوئے ہیں اور جو کچھ اس مجموعے میں آیا ہے وہ قابل اعتبار و لائق اشاعت ہے، اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلے کو ابھی تا دیر جاری رکھے، اور اہل ذوق کو جسمانی حاضری اور اپنے کانوں سے سننے کی سعادت نصیب فرمائے، لیکن جن لوگوں کو اس کا موقع نہیں وہ اس مجموعے سے استفادہ کر سکتے ہیں، لیکن اس ماحول و فضا کا اندازہ نہیں کر سکتے جو بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر اور قارئین کو استفادہ اور انتفاع کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مہمان خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۲؍شوال ۱۳۹۱ھ یوم چہار شنبہ

تأثرات

حضرت مولانا شاہ معین الدین ندوی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

یہ کتاب حضرت شیخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، یوں تو حضرت کا چشمۂ فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے، مگر رمضان المبارک میں جو نزول و برکات اور اہل اللہ کا ذوق و شوق کا خاص مہینہ ہے، اس میں اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حضرت پورے مہینے کا اعتکاف فرماتے ہیں، اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے استفادہ کے لیے طالبین کا ہجوم ہو جاتا ہے، اور سہارنپور کی دار جدید کی جامع مسجد درسگاہ صفہ (**یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم**) کا مظہر بن جاتی ہے۔

اس زمانے کے ملفوظات خصوصیت کے ساتھ قلم بند کرنے کے لائق ہوتے ہیں جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی، خوش قسمتی سے مولانا تقی الدین ندوی جو حضرت کے شاگرد بھی ہیں اور مرید بااختصاص بھی، ان کو رمضان المبارک میں حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، انہوں نے اس زمانے کے ملفوظات وارشادات کو قلم بند کرلیا تھا، اب اس گنج گراں مایہ کو ’’صحبتے با اولیاء‘‘ کے نام سے شائع کیا ہے۔

یہ ملفوظات اصلاح نفس کا نسخہ، احسان وتصوت کا عطر اور سلوک ومعرفت کا

درس ہیں، شروع میں مرتب کے قلم سے کتاب کا تعارف اور مولانا علی میاں کے قلم سے ایک مؤثر اور دلنشیں مقدمہ اور حضرت شیخ کے معمولات کا نقشہ ہے، جو بجائے خود سلوک و طریقت کے سبق کی حیثیت رکھتا ہے، کتاب اپنے فوائد کے لحاظ سے مسلمانوں خصوصاً سالکین طریقت کے مطالعے کے لائق ہے۔

(ماہنامہ ''معارف'' جولائی ۱۹۷۲ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد !

یہ کتاب جو حضرت اقدس سیدی ومرشدی واستاذی شیخ المشائخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کے ارشادات وملفوظات کا حسین گلدستہ ہے، ہندوپاک سے متعدد بار شائع ہوچکی ہے۔

الحمدللہ یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی حیات میں شائع ہوچکی تھی، حضرت والا نے بھی ملاحظہ فرمایا تھا، جیسا کہ مقدمہ میں تحریر کرچکا ہوں کہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے شائع ہونے سے پہلے نظر ثانی فرمائی تھی اور ہندوستان کے اکثر مشاہیر اہل علم بالخصوص مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم اور جناب مولانا شاہ معین الدین ندوی ناظم دارالمصنفین اور ہمارے ساتھی و دوست مولانا محمد میاں مرحوم نے اس کتاب پر بہت اچھے تأثرات کا اظہار کیا تھا، اس لیے بہت سے دوستوں کا تقاضا تھا کہ اس کو نظر ثانی کے بعد خوبصورت انداز میں شائع کیا جائے۔

الحمدللہ جامعہ اسلامیہ کی طرف سے عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی سلمہٗ

نہایت اہتمام سے عمدہ انداز میں شائع کرا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، اور قارئین کرام اور اس جامعہ اسلامیہ کے لیے جو حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی دعا وتوجہ کا نتیجہ ہے نافع بنائے، اس ناچیز کی سیئات کو درگذر فرمائے، آمین۔

تقی الدین ندوی مظاہری
جامعۃ الامارات، العین

بتاریخ ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۷ھ الموافق ۳۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

عرض حال

ناچیز مرتب ملفوظات، حضرت اقدس مدفیوضہم کی تقریروں وملفوظات کا ضخیم حصہ قلم بند کیے ہوئے تھا، اپنی طالب علمی کے زمانے میں بخاری شریف کے سبق میں اکثر موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس قصے بھی سنایا کرتے تھے، اس زمانے میں ان کو بھی میں نے قلم بند کرلیا تھا، اس کے بعد سال میں کئی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے، اس حاضری میں بھی سننے کا موقع ملتا رہا، نیز ۱۳۸۴ھ کے سفر حج میں یہ ناکارہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے ہمراہ تھا، مگر افسوس کہ اس زمانے کی چیزیں قلم بند نہ کرسکا، جس کا اب بے حد قلق ہے، البتہ ۱۳۸۷ھ ۸۸ھ، ۹۰-۱۳۹۱ھ کے رمضان المبارک میں پورے مہینے حاضری کی سعادت حاصل رہی، اور ملفوظات کے قلم بند کرنے کا اہتمام رہا، امسال ماہ مبارک میں حضرت اقدس کے کئی خاص خدام بالخصوص محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ، مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی، مولانا سجاد صاحب اور عزیز گرامی مولانا عبدالرحیم متالا سلمہ نے ان کو اہتمام سے قلم بند کرنے اور مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، مگر اس اندیشہ کی بناء پر کہ حضرت اقدس سے اشاعت کی اجازت دشوار ہے، میں نے ان کی ترتیب وانتخاب کے کام کو مؤخر کردیا، اس کے بعد میں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، وحضرت مولانا محمد منظور

نعمانی صاحب مدظلہ سے زبانی اور خط وکتابت میں اس کا ذکر کیا تو ان دونوں بزرگوں نے بالخصوص محترم مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے ان کو مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، اس لیے ان ملفوظات کے گلدستہ کو مرتب کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں، میں نے ان کی ترتیب میں اپنی تحریر و حافظہ پر اعتماد کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس کے الفاظ و جملے تک میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہو سکے اگر چہ حضرت اقدس جس رقت انگیز انداز میں بیان فرماتے ہیں اس کی تصویر کشی سے یہ بے بضاعت قاصر ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ''سوانح رائے پوری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''کامل الاحوال بزرگوں کی باطنی کیفیت کا اندازہ عامی کیا لگا سکتے ہیں، ان حضرات کا اصول و مسلک یہ ہے کہ: ؎

عشق عصیان است گر مستور نیست

لیکن پھر بھی پیمانہ جب لبریز ہو جاتا ہے تو دو چار قطرے ٹپک پڑتے ہیں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ضبط گریہ اور اخفائے حال کی کوشش اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے جس سے سینہ معمور اور دل مخمور ہے، کسی حقیقت شناس نے عرصہ ہوا کہا تھا: ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت اقدس جس وقت اپنے اکابر و مشائخ کے حالات بیان فرماتے ہیں اور جس وقت بیعت کے الفاظ ادا فرماتے ہیں تو ساری مجلس پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے، زبان حال گویا اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے ؎

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق　　سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

حضرت کے درس حدیث میں جن لوگوں کو بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بخاری شریف میں جہاں مرض الوفات کی حدیث آتی تھی، اس وقت مجلس کا جو حال ہوتا تھا وہ ناقابل بیان ہے، تھوڑی دیر کے لیے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی یہ سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے، اسی طرح مسلسلات حدیث میں حضرت اس حدیث ''إنی أحِبُّکَ یَا مَعَاذ'' کو پڑھتے ہیں تو سارے مجمع پر گریہ طاری ہو جاتا ہے ۔

محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی
الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا

اہل اللہ کے ملفوظات میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے، وہ عام تحریرات و تصنیفات میں نہیں ملتی، ان میں مختلف ذوق، مختلف المزاج لوگوں کے حالات کی رعایت ہوتی ہے، ہر شخص اپنے حسب حال اپنے درد کا درماں پا سکتا ہے، پھر حضرت اقدس حکایات و اکابر کے حالات مجمع کی مناسبت سے بیان فرما کر ان سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ جن سے سامعین کے قلوب پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔

ان ملفوظات کا بیشتر حصہ ماہِ مبارک کی مجالس میں بیان فرمایا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں حضرت اقدس کی خدمت میں ماہِ مبارک گذارنے والوں کا اتنا بڑا مجمع آتا ہے کہ حرمین شریفین کے سوا اور کہیں یہ منظر دیکھنے کے لیے نہیں ملے گا، ہندو پاک کے علاوہ حرمین شریفین، ترکی و افریقہ، امریکہ و سنگاپور کے لوگ اسی ماہِ مبارک میں موجود تھے، عام طور پر مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلباء کی تعطیلات بھی انہیں ایام میں ہوتی ہیں، اس لیے اکثر و غالب تعداد اس مجمع میں انہیں کی ہوتی ہے، ان ملفوظات کے مخاطب اولین علماء و طلباء کی جماعت ہے، عہد حاضر

میں ہمارا دینی طبقہ بالخصوص مدارس عربیہ جس دینی وروحانی وعلمی تنزل وانحطاط کا شکار ہے، اس کی اصلاح کی حضرت کو بہت ہی فکر ہے، ملفوظات کے قارئین پڑھنے کے بعد اس کا بخوبی اندازہ کرسکیں گے۔

۱۹۶۵ء کے بعد ماہِ مبارک گذارنے کا سلسلہ مجمع کی کثرت کی بنا پر مدرسہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ جدید کی مسجد میں شروع کیا گیا، ہر سال اس مجمع میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، ۱۹۷۰ء کے رمضان میں مستقل مقیمین کی تعداد قریباً چھ سو تک پہنچ گئی تھی، یہ سب حضرات حضرت اقدس مدفیوضہم کے مہمان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نصیر الدین صاحب ناظم طعام اور ان کے رفقائے کار کو جو حضرت کی جانب سے ان سب مہمانوں کے کھانے اور سحری وافطار کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح مولانا کفایت اللہ صاحب پالن پوری اور ان کے رفقاء نے دونوں وقت کی چائے کا انتظام اپنے ذمہ لے رکھا ہے، حق تعالیٰ اس چشمۂ فیض کوتادیر قائم و دائم رکھے، آمین۔

یہ ناچیز اپنے محسن ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے ان ملفوظات کو اپنی مجالس میں سنا اور اس پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا۔

مزید اطمینان کے لیے اس ناچیز نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ (مفتی اعظم دار العلوم دیوبند) سے اس مسودہ کے سماعت کی درخواست کی، انہوں نے از راہِ شفقت وعنایت اس کے اکثر حصے کی سماعت کی اور بعض مقامات پر تصحیح فرمائی جس پر یہ ناچیز بے حد ممنون ہے۔

اب یہ مفید ودلآویز مجموعہ ناظرین کی خدمت میں عرفی کے الفاظ میں اس معذرت کے ساتھ پیش ہے ؎

امید ہست کہ بیگانی عرفی را
بدوستی سخنہائے آشنا بخشند

یہ کتاب ہندو پاک سے متعدد مرتبہ شائع ہوچکی ہے اور خاص و عام میں مقبول ہوئی، حضرت اقدس شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی مجالس میں سنائی گئی اب یہ کتاب عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی سلمہ (استاذ جامعہ اسلامیہ) کی زیرنگرانی ''جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ'' کی طرف سے شائع کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

(ڈاکٹر) تقی الدین ندوی
استاذ حدیث ''العین یونیورسٹی'' ابوظبی

۱۴۱۱/۶/۲۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شیخ کے معمولات ونظام اوقات

(ماخوذ از سوانح یوسفیؒ)

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیات کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار ہے، جن کا ایک ایک لمحہ عبادت، خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لیے وقف تھا، اور جن کے کارنامے دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی، بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے، اور ان کی روحانیت تائید الٰہی کے سوا کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد کچے گھر میں تشریف لے آتے ہیں، اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے ہیں، جن کی تعداد پچاس ساٹھ سے شاید کبھی کم ہوتی ہو بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی ہے، کچھ لوگوں کے لیے ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا ہے، لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا ہے اگر کوئی ایسا عزیز اور اہم مہمان ہوتا ہے جو تھوڑے وقت کے لیے سہارن پور آیا ہوتا ہے یا اس سے کوئی ضروری باتیں کرنی ہوں گی تو تخلیہ کرلیا جاتا ہے اور کچھ دیر وہیں تشریف رکھتے ہیں،

پھر بالا خانے پر اپنے علمی و تصنیفی معمولات پورا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، جاڑے، گرمی، برسات حوادث تحریکات اور کسی بڑے سے بڑے معزز مہمان کی آمد کے موقع پر بھی اس میں کمتر فرق واقع ہوتا ہے، بعض مرتبہ فرمایا کہ حضرت رائے پوریؒ یا ایسے اکابر ومشائخ کی تشریف آوری کے موقع پر میں نے اپنا یہ معمول ترک کر دینا چاہا تو سر میں درد ہو گیا، اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لیے گیا اور تھوڑا سا کام کر کے واپس آ گیا۔

اکثر یہ حضرات خود ہی باصرار شیخ کو رخصت فرما دیتے اور حرج گوارا نہ فرماتے اوپر کی نشست گاہ دیدنی ہے نہ کی شنیدنی، ایک چھوٹا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ ہے گویا در و دیوار اسی کے ہیں، ان کتابوں کے درمیان بمشکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہے، جس میں شیخ تشریف رکھتے ہیں، وہ جب اپنی جگ پہنچ جاتے ہیں اور ان کتابوں کے درمیان پناہ لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غیر جنس میں رہا ہے، اپنے آشیانے میں واپس آ گیا ہے، اس وقت ان کا وہی حال ہوتا ہے جس کی تصویر خواجہ میر درد نے اس شعر میں کھینچی ہے ؎

جایئے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کے لیے یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کے لیے جانا پڑتا ہے تو اس کو بمشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے، چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر ایک آدھ چمڑہ یا چٹائی کا فرش کچھ پرانی شیشیاں اور دواؤں کی بوتلیں گرد، جس میں معلوم نہیں کتنا علم کا جوہر اور اخلاص کی تب و تاب ہوتی ہے، ساڑھے گیارہ بجے تک

شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ وہاں کام کرتے رہتے ہیں اوران کا جی چاہتا ہے کہ سوائے ضروری اورفوری کاموں کے خلل نہ واقع ہو، ان اوقات میں ان خاص مہمانوں اور ذکر وشغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی ہے کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں اور وہ کام میں مشغول رہتے، اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

ساڑھے گیارہ بجے نیچے تشریف لے آتے ہیں، دسترخوان بچھتا ہے، مہمانوں کی جماعت کثیر شریک طعام ہوتی ہے، عام طور پر دو اور تین مرتبہ مجمع بیٹھتا ہے، شیخ کی اصطلاح میں اس کو پہلی پیڑھی اور دوسری پیڑھی کہتے ہیں، شیخ اول سے آخر تک کھانے میں شریک رہتے ہیں اپنے کھانے کی مقدار اور رفتار ایسی رکھتے ہیں کہ آخری کھانے والے تک کا ساتھ دیں سکیں، کھانے میں بالعموم تنوع ہوتا ہے، متعدد قسم کے سالن وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور بڑے اصرار سے مہمانوں کو کھلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نو وارد و نا تجربہ کار بعض اوقات اس اصرار سے اپنے معمول سے زیادہ کھا کر تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، لیکن غور سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ شیخ برائے نام شریک ہیں ان کی خوراک اتنی کم ہوتی ہے کہ اس مقدار کے ساتھ اتنی محنت پر تعجب ہوتا ہے لیکن دسترخوان پر وہ ایسا سماں باندھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فراخ دل میزبان خود کس قدر اس کھانے میں شریک ہے۔

کھانے سے پہلے ڈاک آجاتی ہے جس پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں اس ڈاک کی مقدار روز بروز بڑھتی جارہی ہے، ان سطور کے تحریر کے زمانے میں تیس چالیس کے درمیان روزانہ خطوط کا اوسط ہے۔

کھانے کے بعد شیخ آرام کرنے کے لیے مضطر ہوتے ہیں، ساڑھے بارہ ایک اس میں ضرور بج جاتا ہے، یہی وقت ان کے آرام کا ہے، ظہر کے بعد ایک گھنٹہ وہ ڈاک اور اسی درمیان میں کسی عزیز مہمان سے گفتگو کی نذر کرتے ہیں، گھنٹہ ختم ہونے کے بعد حدیث کے درس کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، پہلے یہ درس دارالطلبہ کے دارالحدیث میں ہوتا تھا جو بالائی منزل پر ہے، اب چڑھنے بلکہ چلنے تک کی معذوری کی بناء پر دارالطلبہ کی مسجد میں ہوتا ہے، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کی وفات کے بعد سے بخاری شریف آپ ہی پڑھاتے ہیں، اس درس کی کیفیت بھی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی، حدیث کے احترام وسنت کے شغف اور ذاتِ نبویؐ سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا ہے اور بعض مرتبہ تو ساری مجلس پر ایک بجلی سی کوند جاتی ہے خصوصاً ختم کتاب اور دعا کے موقع پر تو یہ پیمانہ ہزار وسعت وعالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا ہے، اسی طرح وفاتِ نبویؐ کی احادیث پر دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، آنکھیں بے اختیار اشکبار اور آواز گلوگیر ہوجاتی ہے (تین سال سے معذوریوں کی وجہ سے درس کا سلسلہ بند ہوگیا ہے، ت)۔

عصر کی نماز کے بعد مکان [۱] پر عام مجلس ہوتی ہے، سارا صحن زائرین اور حاضرین سے بھرا ہوتا ہے، ان میں مدرسہ کے طلباء اور بعض اساتذہ بھی ہوتے ہیں اور مدرسہ کے مہمان بھی، چائے کا اس وقت بھی دور چلتا ہے، تعویذ لکھنے کا اسی وقت معمول ہے، مغرب کی نماز کے بعد اب دیر تک مسجد ہی میں رہتے ہیں، اگر کوئی خاص مہمان یا عزیز آئے ہوئے ہیں تو ان کو خصوصی طور پر وقت دے دیتے ہیں، عشاء کی

---

[۱] آج کل یہ مجلس باہر مولوی نصیر الدین صاحب کی ٹال میں ہوتی ہے۔ (ت)

نماز سے پہلے دستر خوان پھر بچھ جاتا ہے لیکن شیخ کا عرصہ سے رات کو کھانے کا معمول نہیں، کوئی خاص عزیز مہمان ہوئے تو انکی خاطر دو چار لقمے تناول فرما لیتے، (مگر اب یہ بھی چھوٹ گیا ہے، ت) عشاء کے بعد پھر کچھ دیر مخصوص و محدود مجلس رہتی ہے جس میں زیادہ تر بے تکلف اور ہر وقت کے حاضر باش خدام یا عزیز مہمان ہوتے ہیں پھر آرام فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دن نماز سے پہلے مختلف دیہاتوں اور اطراف و مواضعات سے آنے والے اہل تعلق و ارادت کو مجلس میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے، اسی موقع پر نئے طالبین کو بیعت بھی فرماتے ہیں اور ذکر و اصلاح حال کی تلقین بھی، یہ تعداد بھی یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے، سارا صحن اور اندر باہر سب بھر جاتا ہے، پھر جمعہ کی تیاری ہوتی ہے، جمعہ حکیم ایوب صاحب کی چھوٹی مسجد میں جو قریب ترین مسجد ہے، ادا فرماتے ہیں، کھانا معمولاً و التزاماً جمعہ کے بعد ہوتا ہے، عصر کی مجلس عام جمعہ کے دن ملتوی رہتی ہے، شیخ کا برسوں سے جمعہ کے دن ما بین عصر و مغرب دعا میں مشغول اور متوجہ الی اللہ رہنے کا معمول ہے، فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا بھی یہی معمول تھا، چائے بھی اس روز مغرب کے بعد ہوتی ہے (اب چائے کا معمول نہیں رہا، ت)۔

رمضان المبارک میں تو نظام الاوقات بہت بدل جاتا ہے، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوق، عبادت و تلاوت اور یکسوئی و انقطاع اپنے نقطۂ عروج پر ہوتا ہے، شیخ کے یہاں رمضان کا معاملہ بالکل الگ ہے اور وہ اولیائے متقدمین اور مشائخ سلف کی آخری یادگاروں میں سے ہے، راقم السطور کو ۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی، نظام الدین میں قیام تھا اور شیخ کی خصوصی

شفقت و تعلق کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، پورے مہینے کا اعتکاف تھا، روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا، قدرے اضافہ کے ساتھ (تاکہ اگر ۲۹/کا چاند ہو جائے تو تیس قرآن مجید ختم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے) نظام الاوقات یہ رہتا تھا کہ افطار صرف ایک مدنی کھجور سے پھر ایک پیالی چائے اور ایک بیڑہ پان، نماز مغرب کے بعد اوابین شروع فرما دیتے جن میں کئی پارے پڑھتے، اوابین سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے پیشتر ایک خصوصی مجلس جس میں خاص عزیز و خدام شریک رہتے، عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سی افطاری عموماً امرود یا کیلا کا کچالو یا کچھ پھلکیاں بَرے وغیرہ لیکن قلیل مقدار میں کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں یہ گرمیوں کا زمانہ تھا، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لیے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی، ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے شیخ نوافل میں مشغول ہو جاتے، سونے کا ایک منٹ کے لئے بھی معمول نہ تھا، اخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر اول وقت ہو جاتی نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے، ۲۴ گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا، جو کچھ وقت ملتا قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گذرتا۔

رمضان کی اس مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی، ان سطور کے تحریر کے وقت جو پچھلا رمضان ۶۵-۶۶ء ۸۵ھ کا

گذرا ہے، اس کی تفصیل ایک خادم خاص اور ہر وقت کے حاضر[۱] باش اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''وسط شعبان سے ۲۸/رمضان تک جو مہمان باہر سے آئے اور پورا رمضان یا کچھ ایام گذار کر واپس گئے، ان کی ایک فہرست ایک خادم نے بطور خود مرتب کی تھی، اس فہرست میں ۳۱۳ مہمانوں کے نام ہیں''۔

حضرت شیخؒ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا: سحری کے لیے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموماً نوافل میں مشغول اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے اور چائے کی ایک پیالی، پھر جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے، مہمان حضرات آمنے سامنے ہوتے، بعد نماز فجر آرام فرماتے، تقریباً ۹ بجے دن تک پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، دوپہر زوال کے قریب تک، پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے، اور بعض ضروری خط لکھواتے اذان ظہر تک، پھر نماز میں مشغول ہوتے، بعد ظہر فوراً تلاوت شروع فرماتے مسلسل عصر تک، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ سب لوگ ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جائیں قبیل عصر تک، چنانچہ ذاکرین ذکر میں مشغول ہوتے، اور دوسرے حضرات تلاوت میں مشغول رہتے عصر تک، بعد عصر حضرت قرآن شریف سناتے، اکثر مہمان یا تو قرآن شریف سنتے یا خود تلاوت کرتے قبیل افطار تک صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کر کے مراقب ہو جاتے، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحن مسجد میں افطاری کے دستر خوان پر چلے جائیں اور حضرت اکیلے پردہ میں ہو جاتے، اذان پر مدنی کھجور

---

[۱] مولانا منور حسین صاحب بہاری سابق مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔

سے افطار اور اس پر زمزم ایک پیالی نوش فرماتے، پھر مراقب ہو جاتے یا ٹیک لگا کر بیٹھتے، نماز مغرب سے فراغت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا اور حضرت دیر تک نوافل میں مشغول رہتے، اذان کے آدھ گھنٹہ پہلے تک، اس وقت ایک دو انڈے نوش فرماتے اور ایک پیالی چائے، یہ چائے بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بہت اصرار پر شروع ہوئی، اسی طرح انڈا بھی سخت اصرار پر منظور فرمایا تھا، روٹی چاول وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز بھی رمضان بھر بلکہ ایک دن پہلے بھی نوش نہیں فرمایا۔

اذان عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹا دیا جاتا، حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ رہتے، عجب منظر ہوتا، نئے آنے والے ملتے، پھر اذان ہو جانے پر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل پھر فرض وتراویح میں مشغول ہو جاتے، اس رمضان میں تین قسم کی سماعت فرمائی، پہلے مفتی یحییٰ صاحب نے سنائی، پھر حافظ فرقان صاحب نے پھر میاں سلمان سلمہ، پسر مفتی صاحب نے، پورا ماہ اعتکاف میں گزارا، اور اکثر و بیشتر مہمان بھی معتکف رہے، حتی کی بسا اوقات ڈاک خانے بھیجنے کے لیے کسی آدمی کا ملنا مشکل ہو گیا تھا، بس حضرت کے تین چار خادموں کو خاص کر کے ضروریات کے لیے غیر معتکف دیکھا گیا۔

آخر عشرہ میں یا اس سے کچھ پہلے بعض بعض دوستوں کے بار بار مٹھائی یا کباب لانے کی بناء پر تراویح کے بعد ایک دو لقمہ مٹھائی یا شامی کباب بھی نوش فرما لیتے، مگر اکثر تو تقسیم ہی کرا دیتے، اوائل رمضان میں اعلان کرا دیا گیا تھا یعنی حضرت نے خود فرمایا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی، چنانچہ کتاب سنانے کا معمول رہا، اور اس وقت چنا یا پھلکی وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آ رہا تھا، اس رمضان میں

بند کروا دیا گیا تھا کہ وقت ضائع ہوگا کتاب وغیرہ سے فراغت کے بعد فرماتے، حضرات جاؤ وقت کی قدر کرو، چنانچہ اکثر تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہو جاتے، کچھ دیر کے بعد کچھ دیر کے لیے آرام فرماتے مگر " **تنام عیناى ولا ينام قلبى**" کی طرح کیفیت رہتی کہ ابوالحسن سلمہ سے جو پاس ہی کو ہوتے کبھی کوئی بات فرما بھی دیتے اور یہ فرما دیتے کہ تم لوگوں کی تلاوت اور ذکر سے میرے آرام میں فرق نہیں آتا۔

اگلے رمضان (۱۳۸۶ھ) کا نظام تقریباً وہی رہا، کچھ چیزوں میں تبدیلی تھی مولوی منور حسین صاحب بہاری نے اپنے مکتوب میں جو حالات لکھے ہیں اس کی چند اہم باتیں یہ ہیں:

> "۲۹ رشعبان کو فجر کی نماز سے پہلے ہی مہمانوں اور معتکفوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کرنا اور بسترے پھیلانے شروع کر دیئے، چانچہ بعد فجر جو لوگ گئے تو اکثروں کو تیسری صف میں جگہ ملی، حضرت پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے کہ ۲۹ رشعبان کو بعد عصر مسجد ہی سے اعتکاف گاہ منتقل ہو جائیں گے، چنانچہ تشریف لے گئے اور نوے سے اوپر سو سے تین چار کم مہمان بھی مسجد دارالطلبہ جدید میں اقامت و اعتکاف کی نیت سے پہنچ گئے، حالانکہ مسجد بہت وسیع اور اندر چھ صفوں کی جگہ ہے مگر مہمانوں اور سامان سے مسجد بھر گئی، چنانچہ جو مہمان رات کو یا صبح سے پہلے یا بعد میں پہنچے ان کو مسجد کے برآمدے

میں جگہ دلوائی گئی، شام کے دسترخوان میں سو سے کم اور سحری
کے وقت سو سے زائد مہمان ہو گئے تھے، پھر مہمان آتے گئے
اور برآمدہ مسجد کے پُر ہو جانے پر اندرونِ مسجد جا بجا جگہ
دلوائی گئی اور ہر مہمان کو تقریباً ڈیڑھ فٹ کی جگہ اخیر کے دو
عشروں میں میسر رہی مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے
عشرہ کے وسط میں ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرالیا گیا، یعنی
مسجد کے کھلے صحن میں وہ بھی اخیر عشرہ میں بھر گیا، پہلے ہی
دارالطلبہ جدید کے چھ کمروں کو خالی کرالیا گیا تھا، چنانچہ پہلے
دوسرے عشروں میں تو صرف معززین کو ان کمروں میں
چارپائیوں پر ٹھہرایا جاتا تھا، مگر اخیر عشرہ میں دو کمرے تو
معززین کے لیے رہے، باقی چار کمروں میں پرال ڈلوا کر
عام مہمانوں کو ٹھہرایا گیا بعد کو سب ہی کمروں میں پرال
پڑے، ۲۳/ سے ۲۸/ تک تقریباً پونے تین سو مہمان
دسترخوان پر کھانا کھاتے رہے، مزید مولوی نصیرالدین
صاحب کے پاس کھاتے رہے............

اس سال تبلیغی جماعتیں، علماء اور مدرسین اور اہل علم کثرت سے آئے، حضرت نے متعدد اشخاص کو اجازت دی، گجرات، بمبئی، پالن پور کے مہمانوں کی تعداد نمایاں تھی، یوں یوپی والوں کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ تھی، افریقہ، انڈمان، میسور، مدراس، بنگال، اڑیسہ، بہار اور آسام کے مہمان بھی تھے۔

ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے رہتے، تمام مہمان ذکر میں مشغول رہتے، عصر تک اکثر ذکر جہری میں بعض ذکر سری یا مراقبہ میں اور کچھ تلاوت میں، بات چیت کرنے کی قطعی اجازت نہیں تھی، عام ہدایت تھی کہ ہمارے یہاں آؤ تو فضول باتیں نہ کرو، خواہ سورہو یا خاموش بیٹھے رہو، کوئی حرج نہیں عصر کے بعد کتابیں سنائی جاتیں، ''امدادالسلوک''، نیز ایک اور رسالہ پھر ''اتمام النعم'' ترجمہ ''تبویب الحکم'' پھر ''اکمال الشیم شرح اتمام النعم''، سلوک کی کتابیں پورے ماہ رمضان میں سنائی گئیں، افطار سے پندرہ منٹ پہلے کتاب سنانی موقوف کر دیتے اور پردہ میں مراقب ہو جاتے، مدنی کھجور اور زمزم سے افطار فرماتے کچھ کھانے کا معمول نہیں تھا، پھر مراقب ہو جاتے، نماز مغرب کے بعد تقریباً پون گھنٹے نوافل میں مشغول رہتے، پھر دو انڈے کی زردی نوش فرما کر ایک پیالی چائے پی لیتے، پردہ ہٹا دیا جاتا، تقریباً سوا سات بجے عام مجلس شروع ہو جاتی، نئے آنے والوں سے مصافحہ فرماتے، اور کب تک قیام کا سوال فرماتے؟ اور محل قیام کے لیے ہدایت فرماتے پھر آٹھ بجے تک بزرگوں کے واقعات بیان فرماتے، اسی درمیان میں بیعت بھی فرماتے، اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری فرماتے اور خود ضروریات سے فارغ ہوتے، اور نوافل شروع فرما دیتے۔

تراویح سے فراغت پر سورۂ یٰسین کا ختم ہوتا اور دیر تک دعا فرماتے رہتے تبلیغی جماعت کے مخصوص حضرات ہوتے تو ان سے دعا کی فرمائش کرتے، پھر کتاب سنانے کا سلسلہ ساڑھے گیارہ تک رہتا اور تبلیغی کارروائی سنائی جاتی، اس کتابی مجلس کے اختتام پر تقریباً ۱۲ بجے شب کو پردہ گرا دیا جاتا، اس سال گھر والوں اور دوستوں کے اصرار و تقاضہ اور اس بناء پر کہ بالکل فاقہ رہنے پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا، اور پانی پینے

پر معدہ میں رطوبت بہت بڑھ گئی تھی، جس کے نتیجہ میں رمضان کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کھایا نہیں جاتا تھا، افطاری کا سلسلہ شروع کیا گیا، حضرت کچھ تفکہ فرمالیتے، پون بجے تک مخصوص مجلس رہتی، مراقبہ کی کیفیت رہتی، ایک بجے کے بعد سوجاتے، چار بجے اٹھتے ضروریات سے فارغ ہوکر نوافل میں مشغول ہوجاتے، صبح صادق سے آدھ گھنٹہ پہلے دودھ پاپے کے چند چمچے نوش فرما کر ایک پیالی یخنی نوش فرماتے، پھر نوافل میں مشغول ہوجاتے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوجاتی۔ (ماخوذ از سوانح یوسفیؒ)

مہمانوں اور معتکفین کے قیام کا نظم وانتظام: یہ ناچیز اپنے وطن اعظم گڑھ سے ۲۷؍شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ کو روانہ ہوکر ۲۸؍شعبان بروز جمعہ سہارن پور حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، نمازِ جمعہ کے بعد ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوا، اس وقت ماہِ مبارک گزارنے والوں کا اچھا خاصہ مجمع آگیا تھا، شنبہ کو حسب سابق دارالطلبہ جدید کی مسجد میں معتکفین اور حجروں میں بقیہ مہمانوں کے قیام کا نظم کیا گیا، ناظم الامور محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مدرسہ قدیم سے دارالطلبہ جدید سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر منتقل ہو جائیں، چنانچہ عصر تک سب لوگ منتقل ہوگئے۔

نماز عصر کے بعد حضرت اقدس مدفیوضہم بھی مسجد میں تشریف لائے رویت ہلال کا انتظار رہا، مگر ۲۹؍کا چاند نظر نہ آیا، ۳۰؍کو سب لوگ اپنے اپنے معمولات و تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے، نیز ۳۰؍کو صبح کی نماز کے بعد ’’فضائل قرآن‘‘ سے صلوٰۃ التسبیح کا باب پڑھا گیا، اس کے بعد محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہٗ نے اعلان فرمایا ’’کہ اس نماز کو آج ایک مرتبہ سب لوگ حصول فضیلت کی نیت سے ضرور

پڑھ لیں اور ماہِ مبارک میں بھی کم از کم ایک دو مرتبہ اس پر عمل کرلیا جائے، ہر دور کے علماء وصلحاء واہل اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے“۔

یکم رمضان المبارک کو واردین کی تعداد تقریباً ۳۱۳ تک پہونچ گئی تھی، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے، جب حضرت اقدس سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو اس پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ:

”حق تعالیٰ جیسی ہماری صورت ہے، ویسی ہی حقیقت بھی بنادے“۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پہلی مجلس

(یکم رمضان المبارک)

یہ مجالس مغرب کے بعد کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ہوتی تھیں اور عشاء تک یہ قائم رہتی تھیں، اخیر مجلس میں بیعت ہونے والوں کو حضرت اقدس مدفیوضہم بیعت فرماتے تھے، اخیر رمضان تک یہی معمول رہتا ہے۔

ماہ مبارک کے مشاغل میں انہاک واستغراق: ارشاد فرمایا، آپ لوگ جس مقصد کے حصول کے لیے یہاں آتے ہیں، اس کے لیے انتہائی کوشش کیجئے رمضان المبارک کی راتین تو جاگنے کے لیے ہوا کرتی ہیں۔

میں نے ۳۸ھ میں پہلا سفر حج کیا، اس وقت سے رمضان المبارک کی راتوں کو جاگنے کا معمول بنالیا تھا، مگراب ۵، ۶ سال سے بیماریوں نے چھڑادیا ہے، یہ درحقیقت میں نے عرب سے سیکھا تھا، وہاں لوگ رمضان کی راتوں میں بیدار رہتے ہیں، ہم لوگ وہاں کے قیام کے زمانے میں تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد سحری تک عمرہ کیا کرتے تھے، دوبارہ جب ۴۴ھ میں وہاں حاضری ہوئی تو بھی یہی دیکھا کہ رمضان المبارک میں بازار رات بھر کھلے رہتے ہیں، اور دن میں سناٹا رہتا ہے، البتہ

گذشتہ سال جب وہاں حاضری ہوئی تو معلوم ہوا کہ بہت سے گھروں میں وہاں رات میں ٹیلی ویژن لگائے جاتے ہیں، اوراس کی آوازیں آتی رہتی ہیں، اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: کام کرنے والوں کے لیے یہ چیزیں ان کے کاموں سے مانع نہیں۔

بچپن میں ایک قصہ سنا تھا، ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دوکان کے قریب جا کر کھڑے ہو جاتے اور مٹھائیوں کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پر یا اور کہیں روشنی نظر آتی تو وہاں جا کر کتابیں دیکھتے، ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے، یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے، جب صبح ہوئی تو فرمایا'' وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے'' اس قصہ کو سنانے کے بعد حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے اس کو ٹیلی ویژن وغیرہ کی آوازیں یا اور کوئی چیز مقصد سے مانع نہیں بن سکتی ۔

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے ۔۔۔ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادگان میں سے ایک صاحب مطالعہ کررہے تھے، دوران مطالعہ میں انہوں نے پانی مانگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے جب اس کو سنا تو فرمایا'' خاندان سے علم رخصت ہوا، مگر اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کریں، ذرا مزید دیکھ لیں، چنانچہ پانی کے گلاس میں سرکہ ڈال کر خادم سے بھجوادیا، وہ اس کو پی گئے اور گلاس واپس کردیا، اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: '' الحمد للہ ابھی

خاندان میں علم باقی رہے گا‘‘۔

امام مسلمؒ کا مشہور قصہ ہے، بیان کیا گیا ہے کہ ان کی مجلس درس میں امام موصوف سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا جو امام موصوف کو سوءِ اتفاق سے یاد نہ آئی، واپس گھر آئے تو انہیں خرمے کی ایک تھیلی پیش کی گئی، حدیث کی تلاش وجستجو میں اس قدر محو ہوئے کہ چھوارے آہستہ آہستہ سب کھا گئے اور حدیث بھی مل گئی، یہی امام صاحبؒ کی موت کا سبب ہوا۔

فرمایا: میں نے حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہٗ کو دیکھا کہ کبھی حضرت ایسے مشغول ہوتے کہ کوئی کچھ عرض کرتا تو فرماتے ’’اَیں‘‘ یعنی حضرت کو اس وقت دوسری طرف بالکل التفات نہ ہوتا، یہی حال میں نے حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کا دیکھا کہ حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی، حضرت سنتے، فرماتے پھر پڑھ دو، یہیں سے میں نے بھی سیکھا ہے۔

بڑے حضرت رائے پوری کے یہاں تو رمضان کا مہینہ دن رات تلاوت کا ہوتا اس میں ڈاک بھی بند، اور ملاقات بھی بند، بعض مخصوص خدام کو اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کا ایک فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر ہو جایا کریں۔

پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ: ارشاد فرمایا: بڑے حضرت رائے پوری پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ سنایا کرتے تھے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں، وہ بزرگ اپنے سب مریدوں کو عشاء کے بعد سلا دیتے اور دو بجے لات مار کر اٹھا دیتے، ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد سے چائے پکنی شروع ہوتی اور دو بجے تک پکتی

رہتی، اور ظاہر بات ہے کہ اتنی دیر پکنے کے بعد وہ کڑوی ہو جایا کرتی تھی، وہی لوگوں کو پلائی جاتی، تا کہ نیند نہ آئے، یہ قصہ میں نے اس لیے نہیں سنایا ہے کہ تم لوگ اس پر عمل کرو، وہ پنجاب کے لوگ تھے جو قوی و مضبوط ہوتے تھے اور ہم کمزور ہیں، البتہ حسب مقدور کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت اقدس کا ماہِ مبارک میں تلاوت کا معمول: ارشاد فرمایا: ۳۸ھ سے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً ۸۰ھ تک رہا ہوگا بلکہ اس کے بعد تک، ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو عموماً حکیم اسحاق صاحب کی مسجد میں سنانے کی نوبت آتی تھی، یا میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے گھر میں اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا، گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں اس کو دو مرتبہ، اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ پڑھتا تھا، اور پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا، چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ گرمیوں میں دو دفعہ، اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر، پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً، دو مرتبہ اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ، اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا، ظہر کے بعد دو سنتوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلافات کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا، عصر کے بعد کسی دوسرے اونچے آدمی کو سنانا، ابتداءً حضرت کی حیات تک حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی کو، اس کے بعد دو تین سال مولوی اکبر علی صاحب مدرس مظاہر علوم

کو، اس کے بعد بہت عرصہ تک مفتی محمد یحییٰ صاحب کو، اور ان ہی کے ساتھ ان کے دونوں بھائی حکیم الیاس، مولوی عاقل بھی شریک ہونے لگے، مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا اور نفلوں کے بعد تراویح تک ایک دفعہ پڑھنا ۲۴ گھنٹے میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ ۳۰ پارے پورے ہو جائیں، اللہ کے انعام و فضل سے سالہا سال یہی معمول رہا، اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑا دیا۔

حکیم طیب کا مقولہ کیا رمضان بخار کی طرح آتا ہے؟: ارشاد فرمایا، مجھے اپنی یکسوئی و تنہائی کا رمضان بہت یاد آتا ہے، اس زمانے کا ایک لطیفہ یاد آ گیا، میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رام پوری، میرے دوسرے مخلص مولوی عامر سلمہ کے والد اس زمانے میں ان کی آمد و رفت بہت کثرت سے تھی، اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لیے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے، اس لیے ان کی آمد میں میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی، ایک مرتبہ رمضان میں ۸، ۹ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا، کواڑ کھلوا دو، اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑ کھڑانے کا ارادہ کیا اس نے منع کیا، اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑ کھڑاتے رہو، اس پر وہ خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد صاحب ملے، انہوں نے کہا ''حکیم جی تم کہاں آ گئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے''، اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا، اور نصیر پر غصہ کم ہوا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے، وہ ڈاک لکھوا رہے تھے، فرمایا حکیم جی کہاں آ گئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، وہاں سے اٹھ کر مفتی محمود کے حجرے میں گئے مفتی صاحب کا قیام اس زمانے میں

مدرسہ قدیم کے حجرے میں تھا، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دہرادیا، حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات ملاقات کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا ''تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ، حکیم صاحب نے کہا کہ مجھے تو رام پور واپس جانا ہے، تب مفتی جی نے کہا ظہر کی نماز سے ۱۵ منٹ پہلے تشریف لائیں گے، اس وقت مل لینا، یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستے میں مل لینا''۔

وہ ظہر کی نماز سے پہلے مسجد میں آئے، تو میں نیت باندھ چکا تھا، ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انہوں نے انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں سنتوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، یہ دیکھ کر وہ مٹر گشت میں چلے گئے، وہ واپس آئے تو میں اپنے کمرہ میں پہونچ کر قرآن پاک سنانے میں مشغول ہوگیا تھا، وہ بہت کھٹ کھٹ کر کے اوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے کہا ''بھائی جی سلام علیکم'' بات نہیں کرتا، صرف ایک فقرہ کہوں گا، ''رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا'' سلام علیکم، جارہا ہوں، عید کے بعد ملوں گا، میں نے کہا وعلیکم السلام، اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہوگیا۔

دوسری مجلس

(۲؍رمضان المبارک)

حضرت اقدس کا پہلا سفر حج: ارشاد فرمایا، جب میں پہلی مرتبہ ۳۸ھ میں حج کے لیے روانہ ہوا، چونکہ یہ سفر حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ کی معیت میں تھا، اس لیے بمبئ تک ہر اسٹیشن پر ناشتہ دانوں اور کھانوں کی کثرت تھی، بمبئ میں تقریباً تین سو کا مجمع تھا، راستہ میں سب لوگوں کا کھانا مشترک تھا، مگر بمبئ پہونچ کر حضرت نے اعلان فرمایا کہ اب گویا سفر حج شروع ہورہا ہے، مشترکہ کھانے کے نظم کرنے میں دشواری ہوگی، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے سفر میں کھانے کی شرکت نہ ہونی چاہئے، سب لوگ اپنی اپنی مناسبت کے ساتھی تلاش کرلیں اور اسی لحاظ سے کھانے کا نظم کریں، میرے ایک عزیز رئیس متولی طفیل صاحب تھے، ان کے ساتھ ایک خادم ملّا عبدالعزیز تھا، انہوں نے اپنے ساتھ ماموں لطیف مرحوم کو شریک کرلیا، اور یہ تینوں مجھے اپنے ساتھ شریک کرنے پر اصرار کرنے لگے، حاجی مقبول حضرت کے یہاں وہی مقام رکھتے تھے جو میرے یہاں مولوی نصیرالدین کا ہے، حاجی مقبول کہا کرتے تھے کہ حضرت اگر میں نہ ہوں تو یہ خدام ادب آپ کے کپڑے بھی نہ چھوڑیں، حاجی

مقبول جب خفا ہوتے تو حضرت تک پر اپنی خفگی کا اظہار کر دیتے، میرے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہی تھا، مگر جب مجھ سے خوش ہوتے تو کہتے کہ میری تم سے لڑائی نہیں، میری تم سے صرف اس لیے لڑائی ہے کہ مولانا عبداللطیف صاحب سے تم نے لحمہ کلحمی ودمہ کدمی کر رکھا ہے، بہر حال میں نے رئیس کاندھلہ کے ساتھ شرکت سے انکار کر دیا، اس زمانے میں سفرِ حج کا خرچ چھ سو روپئے ہوتا تھا، جو اس زمانے کے شاید ڈھائی ہزار کے برابر ہو، میں ٹکٹ وغیرہ لے چکا تھا، میں نے چھ سو روپئے اپنی جیب سے نکال کر حاجی مقبول کے حوالہ کیا، اور یہ کہہ دیا کہ اگر اس میں کمی ہوگی تو انشاء اللہ واپسی میں ادا کر دوں گا، میرے پاس سامان بہت مختصر تھا ایک تکیے میں کپڑے وغیرہ سب رکھ لیے تھے، بمبئی سے ایک کالا کرتا جہاز میں پہننے کے لیے خرید لیا تھا، حاجی مقبول صاحب نے کہا کہ جب تم مجھ سے حساب وغیرہ نہیں لوگے تو بڑی خوشی سے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو، بلکہ اگر تمہاری رقم حضرت کے سامان وغیرہ کے قلی میں خرچ ہوگی، تو بھی تمہیں خوشی ہوگی میں نے کہا بالکل، مجھے حساب وغیرہ نہیں چاہئے۔

اگلے دن حضرت نے فرمایا کہ بھائی سب لوگوں کا انتظام ہوگیا، تو ماموں لطیف نے کہا کہ حضرت سب کا ہوگیا ہے، سوائے مولوی زکریا کے وہ آپ ہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا، حضرت میں نے حاجی مقبول کے ساتھ جانا طے کیا ہے، حضرت نے فرمایا، اچھا وہ کیسے راضی ہوگئے، حضرت نے اس پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا، حضرت اقدس مع اپنے خدام کے جہاز سے روانہ ہوئے، اور ۱۰ر رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچے، وہاں پر حضرت کی اکثر دعوت ہوا کرتی تھی، البتہ وہاں کا ہدیہ جب حضرت کے پاس کوئی لاتا، اگر معمولی چیز ہوتی تو ہم لوگوں کو عنایت

کر دیتے اور اگر ۵ مجیدی تک کا ہوتا، تو اس کے پھل وغیرہ منگوا کر تقسیم کروا دیتے، اور اگر بڑا ہدیہ ہوتا تو وہاں کسی آدمی کو ہدیہ کر دیتے۔

ایک روز وہاں دعوت ہوئی، حاجی جی نے سب کو اطلاع کر دی، مگر گھر میں اطلاع کرنا بھول گئے، گھر میں بھی کھانا پک گیا، جب دعوت کا کھانا آیا تو حاجی مقبول ہم لوگوں پر بہت بگڑے کہ تم لوگوں نے کھانا پکانے سے کیوں نہیں منع کیا، اماں جی بھی خفا ہوئیں، حضرت نے کچھ نہیں فرمایا، ہم لوگوں نے مغرب کے بعد کچھ گھر کا کھانا کھایا، اور کچھ دعوت کا، حضرت نے دوسرے لوگوں کو دے دیا، مگر پھر بھی تھا، سحری جب ہم لوگ کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے تو پہلے دعوت کا کھانا کھایا، اس کے بعد ہم نے بار بار گھر کا کھانا منگوایا، اندر سے کھانا آتا رہا، بالآخر سب ختم ہو گیا، اماں جی کو تعجب ہوا کہ کھانا کون کھا رہا ہے، کوئی باہر سے مہمان تو نہیں آ گیا۔

جب حضرت کو اس قصے کا علم ہوا تو فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ہمارے بچے بھوکے رہتے ہیں، میں نے عرض کیا، حضرت ہم روزانہ خوب کھاتے ہیں، کبھی زیادتی ہو جاتی ہے، وہ میرا جوانی کا زمانہ تھا، اب ہم کھانے پینے کے نہیں رہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "آپ بیتی" جلد ۴ ص ۲۲۰۔

حضرت سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا محبّ الدین صاحب کا ارشاد:

ارشاد فرمایا: مولانا محبّ الدین ولایتی (جو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف تھے) مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس حرم میں بیٹھا ہوا تھا، مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اس وقت حرم میں کون آ گیا کہ

دفعتاً سارا حرم انوار سے بھر گیا، میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہوکر باب الصفا کی طرف سعی کے لیے چلے تو مولانا محبّ الدین کے پاس آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی، مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آ گیا، یہ کہہ کر مصافحہ کیا، اور معانقہ ہوا، اور سعی کے لیے آگے بڑھ گئے، مولانا محبّ الدین اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں، ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا محبّ الدین صاحب کا ایک کشف: ارشاد فرمایا: ۳۸ھ میں جب میرا پہلا سفر حج حضرت سہارن پوری کے ساتھ ہوا، تو اس سفر میں مولانا محبّ الدین صاحب باحیات تھے، حضرت سہارنپوری سے معانقہ کرتے ہوئے فرمایا، مولانا آپ یہاں کہاں آ گئے؟ یہاں تو قیامت کبریٰ قائم ہونے والی ہے، فوراً رمضان کے بعد ہندوستان واپس لوٹ جاؤ، کیوں کہ شریف حسین کے بعد ابن سعود کا وفد آنے والا تھا، حضرت اقدس نے ہم خدام سے فرمایا کہ میں تو مدینہ پاک میں قیام کے ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محبّ الدین صاحب اس کو سختی سے منع کرتے ہیں، میرے تو مدینہ پاک حاضری کئی مرتبہ ہو چکی ہے، تم لوگوں کا پہلا حج ہے، نہ معلوم پھر حاضری ہو نہ ہو، اس لیے تم لوگ ہو آؤ۔

فرمایا: وہ زمانہ اس قدر بدامنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور حج کے بعد تو بہت ہی قلیل، نہ جانیں محفوظ تھیں نہ مال، شریف حسین کی حکومت کا اثر مکہ کی چہار دیواری سے باہر نہ تھا، قتل و غارت گری عام تھی، مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام کی اجازت تھی، اس سے زائد اگر کوئی ٹھہرے تو فی یوم ایک گنی (اشرفی) اپنے

بدو کو دے، بشرطیکہ وہ بھی اس پر راضی ہو۔

مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کا پُر خطر سفر: ارشاد فرمایا: ہم چند خدام حضرت اقدس کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے انہیں خطرات میں اولاً سمندر کے کنارے کنارے اور اس کے بعد جبل غائر کی گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے روانہ ہوئے، اس سفر کی داستان بہت طویل ہے اور اللہ کے احسانات قدیمہ جو ہمیشہ اس نا کارہ پر ہیں، اس کا ایک کرشمہ وہ سفر بھی تھا، راستے میں حضرت نے ہمارے قافلے کا، ''الائمہ من قریش'' کے پیش نظر مجھے امیر بنایا تھا اور ہم لوگوں کو آمد و رفت اور تین دن قیام کا حساب لگا کر معمولی پیسے دے دیئے اور بقیہ رقوم سب رفقاء کی مکہ مکرمہ میں حاجی علی جان کی دوکان پر جمع کرادی تھی، اس سفر میں ہمارے قافلے میں بعض لوگ شکاری بھی تھے، جو شکار کرتے تھے، اور اس کو پکاتے تھے، کبھی دنبہ بھی خرید لیتے تھے البتہ ہمارے ساتھی کھچڑی پکاتے تھے، میرا دستو یہ تھا کہ ہر منزل پر اتر کر میں پورے قافلے کا گشت کرتا اور خبر گیری کرتا، یہ لوگ کھانا پکاتے، تین چار دن کے بعد ماموں لطیف کو دلچسپی سوجھی، انہوں نے کہا کہ یہ امیر صاحب اِدھر اُدھر گھومتے ہیں، اب انہیں کھچڑی پکانی ہے، مولانا منظور احمد خاں صاحب نے کہا کہ یہ امیر قافلہ ہیں مگر ماموں لطیف کا اصرار تھا، میں نے دیگچی میں پانی بھر دیا اور دوڈوئی میں نمک ڈالنے کے لیے اٹھایا، اس پر ماموں لطیف بہت خفا ہوئے اور چلا کر کہا کہ ''ارے یہ کیا کر رہے ہو''؟ ہمارے قافلے میں ایک سہارنپور کی بڑھیا عورت اور اس کا شوہر تھا، وہ عورت یہ سب سن رہی تھی، اس نے کہا کہ تم لوگوں کو پکانا آتا ہے، انہیں نہیں آتا، اس پر ماموں لطیف اور خفا ہوئے، بڑھیا نے کہا ان کی طرف سے میں کھانا پکادوں گی، اس پر اور زیادہ برہم ہوئے کہ

ہماری باری میں کیوں نہیں کہا؟ قافلے میں کچھ پٹھان بھی تھے، وہ آئے اور انہوں نے کہا کہ ''شیخ کھچڑی پکائیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے''، اسی طرح مرادآباد، کانپور وغیرہ کے حضرات نے بھی دعوتیں دیں اور کہا کہ حضرت نے ان کو امیر بنایا ہے، یہ کھانا نہیں پکائیں گے، بفضل تعالیٰ راستہ بھر گوشت ہی کھایا، کھچڑی کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

ارشاد فرمایا: چونکہ میں عربی جانتا تھا، تمام قافلے والوں کی طرف سے بدوؤں کی میں ترجمانی کرتا تھا، میرا بدو (جمّال) تو گویا مجھ پر عاشق ہوگیا تھا، ایک مرتبہ مجھے کانٹا چبھ گیا، تو وہ بہت پریشان ہوا، اور کہا، ''یہ کانٹا تمہارے پیر میں نہیں میرے دل میں چبھا ہے''، اور وہ اپنے پیسے راستے میں میرے پاس جمع کرتا تھا، مگر جب یہ بدو حرم مکہ میں پہونچے، تو چونکہ قافلے والے ان سے تنگ تھے، اس لیے موقع پا کر ان کو ایسا بھگایا کہ میرے بدو کے کچھ پیسے بھی میرے پاس رہ گئے، جس کو میں نے مدرسہ صولتیہ میں داخل کردیا۔

مدینہ منورہ میں تین دن کے بجائے ایک چلہ قیام کی غیبی صورت: ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے احسانات قدیمہ ''**وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها**'' کی ایک مثال یہ ہے کہ تین دن کے بجائے مدینہ پاک میں ایک چلہ قیام کی حق تعالیٰ نے صورت پیدا فرمادی، مدینہ منورہ پہونچ کر تعب وتکان کی وجہ سے ہمارے جمّال کا ایک اونٹ مرگیا، نہ تو جمال کے پاس اتنے دام تھے کہ وہ اونٹ لے سکے اور نہ ہم لوگوں کے پاس اتنا تھا کہ وہ ہم سے قرض لے سکے، اس لیے وہ جمال جب کہتا کہ مجھے قرض دے دو کہ میں اونٹ خریدوں تو ہم لوگ کہتے کہ تو اگر قرض دے تو ہم لوگ اپنے

کھانے کا انتظام کریں، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہم لوگ تین روز کا خرچ لائے تھے، غرض وہ بیچارہ اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ غریب ہمیشہ اپنی تاخیر و تقصیر پر معذرتیں کرتا رہا، رفقاء میں سے کبھی کبھی کوئی شخص امیر مدینہ سے جا کر شکایت کر دیتا، امیر مدینہ بھی معذرت کے ساتھ صبر کی تلقین فرماتے اور بدو کو ڈانٹ پلاتے۔

روضۂ پاک پر درخواست اور واپسی کی غیبی صورت: ارشاد فرمایا: اس طرح جب چالیس روز ہو گئے، تو میں نے جا کر روضۂ پاک پر عرض کیا کہ حضرت ﷺ ہم میں کئی حضرات حج بدل پر آئے ہیں، انہیں دشواری ہو رہی ہے، چنانچہ شام کو ہمارے بدو کو ایک اونٹ مل گیا، اور ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ کل سے مولانا شیر محمد صاحب تم کو تلاش کر رہے ہیں، ان سے صرف یہ پہچان تھی کہ وہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء میں سے تھے اور میں مولانا یحییٰ صاحب کا صاحبزادہ، چنانچہ حرم میں ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے قافلے کے بارے میں یہاں شہرت ہے کہ ہندوستان کے فقیروں کا ایک قافلہ یہاں پڑا ہوا ہے، ہمارا قافلہ امیروں کا شمار ہوتا ہے، اس لیے مجھے تمہاری تلاش تھی، کیوں کہ ہمارے ساتھیوں کے پاس پانچ سو گنیاں ہیں، ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے، اس لیے آپ اپنے ساتھ لے جائیں، آپ کے قافلے سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، کیوں کہ وہ فقراء کے قافلے سے مشہور ہو چکا ہے، میں نے ان سے عرض کیا کہ تکیہ میں چاقو مار کر دیکھتے ہیں، اس لیے ساتھ لے جانا دشوار ہے، جب انہوں نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے کہا، میں ان کو لے جاؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ ان کے روپئے بنا کر مجھے دے دیں اور ساتھ ہی ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان کو خرچ کر سکتے ہیں، ہندوستان پہونچ کر چار مہینے میں یہ رقم

انشاءاللہ آپ کو ادا کردیں گے، دوسری شرط یہ ہے کہ حضرت اقدس کو اس کی خبر نہ ہو۔

چنانچہ وہ ان گنیوں کے سات ہزار بنا کر لائے، میں اس رقم کو لے کر اپنے قافلہ میں آیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی کو ضرورت ہو تو مجھ سے قرض لے لے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ مدینہ پاک میں مذاق؟ جب میں نے روپئے دکھائے تو یقین آیا میں نے اپنے ساتھیوں کو دو شرط کے ساتھ قرض دیا، ایک یہ کہ حضرت کو خبر نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہندوستان پہونچ کر دو مہینے کے اندر یہ رقم مجھے ادا کردی جائے تاکہ میں حسب وعدہ وہ رقم مولانا شیر محمد صاحب کو واپس کردوں، الحمد للہ ہندوستان آکر وہ رقم ادا کردی، مدینہ پاک میں اس زمانے میں کسی سے جان پہچان نہیں تھی، حضرت مولانا سید احمد مدنی صاحبؒ سے جان پہچان تھی مگر ان کے خاندان کا مدینہ پاک سے اخراج ہوا تھا اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مالٹا میں قید تھے۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! اللہ سے مانگو، خوب مانگو، دینے والا وہی ہے۔

ایک استفتاء: فرمایا، علماء کرام! تم لوگوں سے میں خفا ہوں، جب میں کوئی بات کرتا ہوں تو تم ٹوکتے کیوں نہیں؟ جب حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کو ٹوک سکتے ہیں، تو تم مجھے کیوں نہیں ٹوکتے؟ یہ سفر مدینہ کا ذکر آیا، اس میں تفاخر نہیں؟ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب مدظلہ نے عرض کیا، نیت پر موقوف ہے، تحدیث نعمت کے طور پر جائز ہے۔

جمل حسیر کا مطلب: ارشاد فرمایا: اس سفر میں میں نے دیکھا کہ بدو اونٹ کے چلتے چلتے اس کے خصیتین پر ہاتھ لگاتا ہے، میں نے اس سے اس کی مصلحت دریافت کی، تو اس نے کہا کہ اونٹ چلتے چلتے حسیر ہو جاتا ہے، وہ کسی کام کا نہیں رہتا، چنانچہ ''سنن ابی

داؤد' میں ''باب من أحییٰ حسیراً '' (جلد۴ص۲۹۴) ہے، راستے میں ایک اونٹ کو میں نے دیکھا کہ ویسے ہی کھڑا ہے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حسیر ہو گیا ہے، گویا تپ دق کا آخری درجہ ہے، کھڑے کھڑے مر جائے گا، اس کی علامت خصیتین پر ظاہر ہوتی ہے، ان پر ورم آ جاتا ہے، اسی کو معلوم کرنے کے لیے بدو ہاتھ لگاتا تھا۔

حضرت سہارنپوری کی نماز: ارشاد فرمایا: اس سفر حج میں ہمارا رمضان جہاز سے شروع ہو گیا تھا، اس لیے قرار یہ پایا کہ آدھا پارہ حضرت تراویح میں پڑھا کریں گے، اور پون پارہ میں پڑھوں گا، مجھے بھی جہاز میں چکر آتا تھا، اور مجھ سے زیادہ حضرت کو آتا تھا، ۷، ۸ دن لگے تھے مگر حضرت کو کہاں سے قوت آ جاتی تھی کہ پوری نماز نہایت سکون سے کھڑے ہو کر ادا فرماتے، اور فراغت کے بعد بیٹھنا مشکل تھا۔

حضرت رائے پوری کے ۴۵ھ کے سفر حج کا ایک قصہ: ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائے پوریؒ نے ۴۵ھ میں سفر حج کیا، میں اس زمانے میں حضرت سہارنپوری کے ساتھ حجاز مقدس حاضر ہوا تھا، تو حضرت اقدس رائے پوریؒ نے فرمایا کہ آٹھ مہینے سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لیے یہ سفر میں نے تم سے ملاقات کے لیے کیا ہے، چنانچہ ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ کو مدینہ منورہ سے حضرت رائے پوری کی میرے ہی ساتھ مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی، اس سفر میں بھی ''الائمہ من قریش'' کہہ کر مجھے امیر قافلہ بنایا گیا، حضرت کے خدام آپ کا شغدف اچھی طرح باندھتے تاکہ سفر میں راحت رہے، ایک شریک قافلہ رئیس کو اس بات کی شکایت رہتی کہ ان کا شغدف اچھی طرح نہیں باندھا جاتا، ان کے بار بار شکایت کرنے پر میں نے بحیثیت امیر کے حکم دیا

---

[۱] مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الضحیٰ۔

کہ وہ حضرت کے شغدف میں سوار ہوں، اور حضرت ان کے شغدف میں، حضرت تو فوراً اپنے شغدف سے اتر گئے، ان رئیس صاحب نے اترنے سے انکار کر دیا، اس پر میں نے کہا کہ پھر حضرت پیدل چلیں گے، حضرت نے بخوشی منظور کر لیا اور پیدل روانہ ہو گئے، رئیس نے بڑی معذرت کی، اور بڑے اصرار سے آپ کو سوار کیا، پھر شکایت نہیں کی۔

حجاج کے مادّی سوغات لانے پر اظہارِ ناپسندیدگی: ارشاد فرمایا: کہ حجاج میرے لیے جو مادی چیزیں مصلیٰ وغیرہ لاتے ہیں، وہ مجھے پسند نہیں، یہ چیزیں کافر ملکوں سے بن کر آتی ہیں اور صندوق میں بند رہتی ہیں، شاید ہی مکہ و مدینہ کی ہوا لگی ہو، حج کو جانے والوں سے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ مرے لیے کوئی چیز نہ لاؤ، اگر تمھیں محبت ہے تو حج و عمرہ لاؤ، حق تعالیٰ قبول فرمائے، عمرے کی تعداد قریباً ایک لاکھ اور حج کی تعداد ایک ہزار تک پہونچ چکی ہوگی جو میرے دوستوں نے میری طرف سے کیے ہیں، اسی رمضان المبارک میں بیس پچیس عمرے کی اطلاع آئی ہے، یہی حال قربانیوں کا ہے۔

ارشاد فرمایا، اپنے محسنوں کے احسانات پر ان کے لیے دعائیں کرو، حدیث میں آیا ہے کہ محسن کے لیے ''جزاک اللہ خیراً'' کہا کرو، اللہ کے برابر کون بدلہ دے سکتا ہے، یہ میری وصیت بھی ہے اور نصیحت بھی، کہ اپنے محسنوں کے لیے دعا کرو، ہم بغیر سوال کے صورتِ سوال بنے ہوئے ہیں۔

ارشاد فرمایا، کھجور و زمزم کے سوا اور کوئی چیز مجھے پسند نہیں، میں جب بھی حجاز مقدس حاضر ہوا، تو اپنے گھر والوں کے لیے وہاں سے کپڑے وغیرہ کے قسم کی کوئی چیز

نہیں لایا، مولانا یوسف صاحبؒ کے ساتھ جب وہاں حاضری ہوئی تو مسجد نبوی میں ان کی تین چار گھنٹے تقریریں روزانہ ہوتی تھیں، میں بھی اس میں بیٹھتا تھا، محبت وخوشی سے نہیں بلکہ استفادہ کی نیت سے، اس سفر میں مرحومؒ نے یکدم بہت ترقی کی، اور بہت اونچی اڑان اڑا، وہاں کی نشست میں مسجد نبویؐ کے کبوتروں کے پروں کو جمع کیا کرتا تھا، اور انہیں کو یہاں بطور تحفہ کے لایا تھا، اور اس کے بعد کے سفر میں حدیبیہ وجبل احد کے آس پاس سے کچھ پتھر لایا تھا، خدام سے کہہ دیا تھا کہ ان کو اپنے بکسوں میں ڈال لو، مواجہ شریف کے سامنے نالی بن رہی تھی، وہاں کی مٹی اٹھا کر لایا تھا، حاجی یعقوب (بمبئی) کو بھی ایک تھیلی بھیجی تھی یہاں آ کر اپنے دوستوں کو بھی دی تھی۔

ارشاد فرمایا: حضرت اقدس رائے پوریؒ جب پہلی مرتبہ کراچی سے دلی ہوائی جہاز پر تشریف لائے تو ملاقات کے وقت فرمایا، جب میرا ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا تو جی چاہا کہ آپ بھی ایک مرتبہ ہوائی جہاز پر سفر کریں، پاکستان کے لیے آپ منظور نہیں کریں گے، اس لیے اب سوچا ہے کہ آپ کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر کریں گے، چنانچہ سفر کا انتظام کیا گیا، لیکن اس سال ہندوستان میں کالرا پھیلنے کی شہرت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے قرنطینہ کے سخت احکام نافذ کر دیئے گئے تھے، اس کی وجہ سے ہوائی جہاز سے سفر حجاز بند ہو گیا، اس لیے میں نے ملتوی کر دیا، البتہ حضرت اقدس مع اپنے خدام کے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لائے تو حضرت فرمانے لگے، جانے سے واپسی تک یہ سوچتا رہا کہ تمہارے لیے کوئی ایسی چیز لے جاؤں جس سے تم کو خوشی ہو بہت سوچ کر مسجد نبوی سے تمہاری نیت سے عمرہ کا احرام باندھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس پر میرے ہزاروں عمرے قربان اس کے بعد میری نیت سے حج و

عمرے کی کثرت ہوگئی، (مولانا) علی میاں کا مستقل دستور ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ ''جب طواف شروع کرتا ہوں تو پہلا آپ کی طرف سے کرتا ہوں''، ایک صاحب آئے وہ سنا گئے کہ انہوں نے میری نیت سے اسی عمرے کئے۔

قدوائی صاحب سابق سفیر ہند برائے حجاز کا مکتوب: قدوائی صاحب کی ملازمت حج سے چار ماہ پیشتر ختم ہو رہی تھی، حضرت کو دعاؤں کے لیے خط لکھا تھا، بفضل تعالیٰ حضرت کی دعا کی برکت سے ایک سال کی توسیع ہوگئی، انہوں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ''میری تمنا ہے کہ ایک سال میں اور یہاں رہ جاؤں تا کہ حج کے موقع پر آپ کی خدمت کرسکوں''۔

ارشاد فرمایا: اس سے پہلے سفر حج ۱۳۸۶ھ میں عزیز سعدی وغیرہ نے کوشش کر کے رات کو ۴ بجے گاڑی سے طواف کی اجازت دلائی تھی، جب میں مطاف میں ہوتا تو لوگوں نے بتایا کہ قدوائی صاحب بھی روزانہ یہاں رہتے ہیں، وہاں تو وہ ملے نہیں البتہ یہاں آنے کے بعد ان کا خط آیا تو میں نے جواب میں لکھایا، مجھے آپ کا رات کا طواف یاد ہے۔

تیسری مجلس

(۳؍رمضان المبارک)

حضرت رائے پوریؒ کا ایک مجاہدہ: ارشاد فرمایا: ابتداء میں تھوڑے مجاہدے ضرور برداشت کرنا پڑیں گے سوانح حضرت اقدس رائے پوریؒ میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کے لیے نہیں تھا شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضو کے لیے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا، پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی لپیٹ لیتا تھا مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی، پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا، اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گزارتا، اسی طرح سارا موسم سردی گزر گیا، مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آتی ہو، چنانچہ ہر سال حضرت نہایت عمدہ عمدہ لحاف مجھے ضرور عنایت فرماتے ہیں، اپنی لڑکیوں میں سے کسی

کو دے دیتا تھا۔

ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ پیران کلیر چلہ کھینچنے کا ارادہ کیا اور چپکے سے وہاں تشریف لے گئے، وہاں مراقبہ میں بیٹھے تو معلوم ہوا، اپنا اپنا کرنا اور اپنا اپنا بھرنا، فرمایا جب ایسا ہی ہے تو گھر ہی پر کیوں نہ کروں، چنانچہ واپس تشریف لائے، فرمایا بھائی گھر کے مشاغل فرصت نہیں دیتے۔

چچا جان کا مجاہدہ: ارشاد فرمایا: میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ جب میرے چچا جان (بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ) کی جوانی کا عالم تھا، ان پر مجاہدات سلوک کا بہت زور تھا، گنگوہ میں خانقاہ قدوسیہ کے پیچھے ایک مختصر آب چکی تھی، اس میں ایک بوریئے پر آنکھ بند کئے ہوئے دوزانو بیٹھے رہا کرتے تھے، میری فارسی اس زمانے میں شروع کرائی تھی، میں کتاب پڑھتا، جہاں انہیں کچھ کہنا ہوتا، انگلی کے اشارے سے فرماتے، اگر عبارت سمجھ میں نہ آتی، تو کتاب بند ہو جاتی، میں نے اپنے والد صاحب کا اصول تعلیم بیان کیا تھا کہ شاگرد کا کام حل کرنا اور استاذ کا سننا ہے، اس زمانے میں چچا جان فرماتے کہ اگر تم چھ مہینے خاموش رہو، تو میں تم کو ولی بنا دوں۔

لب ببند و چشم بند و گوش بند   گر نہ بینی سر حق بر ما مخند (رومی)

یہ تین کام کرلو حقیقت نظر آئے گی۔

اس زمانے میں چچا جان کو جَو کی روٹی کا اتباع سنت میں کھانے کا شوق ہوا اور ان کے ساتھ ہم نے بھی زور دکھلائے، تقریباً چھ مہینے تک چچا جان کا دستور رہا، اس کے بعد کسی بیماری کی وجہ سے حکیم نے منع کر دیا۔

ارشادفرمایا: میرے چچا جان نے ایک مرتبہ مجھے خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ کئی دن سے ایک ضروری خط لکھنا چاہتا تھا، مگر لفافے کے پیسے نہیں۔

ارشادفرمایا: چچا جان کا نظام الدین میں جب پیری کا دور شروع ہوا تو ماموں لطیف مرحوم ایک رمضان میں نظام الدین حاضر ہوئے، خیال ہوا کہ خوب کھانے کو ملے گا، جب افطار کا وقت آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، افطار کے وقت چچا جان نے گولر منگوا کر دیئے اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک نوافل میں مشغول ہو گئے اور عشاء کے بعد تراویح پڑھ کر سو گئے، ماموں لطیف بے چارے افسوس میں رہے کہ بھائی جی کے یہاں کھانے پینے کا کوئی ذکر ہی نہیں، سحری کے وقت بھی وہی دو چار گولر آئے، صبح ہوئی ماموں لطیف نے کہا میں دلی جانا چاہتا ہوں، چچا جان نے اصرار سے روک لیا، چنانچہ شام کو کہیں سے ایک دیگ پلاؤ کی آ گئی بلا کر ماموں لطیف کو کھلایا، مجاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اضطراری اور دوسرا اختیاری، دوسرا زیادہ اہم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا مجاہدہ: ارشادفرمایا: میرے چچا جان کے زمانے میں مولوی یوسفؒ نے بھی بڑے مجاہدے کئے اور مشغول رہا اور محنت کی، ان مجاہدوں کا ثمرہ اس کی زندگی میں خوب ظاہر ہوا، چچا جان کے زمانے میں دہلی کے احباب کا بہت اصرار تھا کہ صاحبزادے سلمہ کو شادی میں ضرور لائیں، مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج ناگوار معلوم ہوتا تھا، بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں میرا دہلی جانا ہوا تو عزیزی مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا، بھائی جی فلاں جگہ جانے کو نہ کہیں، چچا جان مجھ سے ارشاد فرماتے، یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو! تو میں یہ معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا

ہے کہ میں نہ کہوں۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں: ایک صاحب نے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا اس پر حضرت اقدس مدفیوضہم نے اپنے اکابر کے چند واقعات سنائے۔

ارشاد فرمایا: سر رحیم بخش صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مظاہر علوم کے بھی سر پرستوں میں تھے، دونوں جگہوں پر مؤثر، وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے ان مدرسوں میں کھانے پینے کی جو احتیاطیں تھیں وہ تو جاتی رہیں، جو چاہو کھلا دو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کے تقویٰ کا اثر ہمارے خاندان میں بہت رہا ہے، تورع و تقویٰ ان کا خاص جوہر تھا، مشہور و مسلَّم بات تھی کہ ان کے معدے نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی، یہ حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگرد تھے، زمانہ طالب علمی میں یہ صرف بازار کے ہوٹلوں سے روٹی خریدتے اور سالن نہیں لیتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی تھی دریافت کرنے پر فرمایا، آموں کی بیع دلی میں قبل از وقت ناجائز طریقے پر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق نے اکابر مولانا شاہ اسحاق صاحب، مولانا یعقوب صاحب اور مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ کی دعوت کی، ان سب حضرات نے منظور فرمالی، لیکن مولانا مظفر حسین صاحب نے جانے سے انکار کر دیا، اس سے نواب قطب الدین خان کو ملال ہوا، انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا، شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا، ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی ہے، کیا نواب قطب الدین صاحب کا

کھانا حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا، حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے، شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ یہ مقروض ہیں اور جتنا یہ خرچ کریں گے وہ ان کی حاجت سے بھی زائد ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے، ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

ارشاد فرمایا: مولوی زبیر کا کراچی سے خط آیا کہ میں نے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ جب کھانا مشکوک ہو تو دعا کہاں سے قبول ہوگی، ہم لوگ مدرسہ کے ملازم ہیں، چندہ کا روپیہ آتا ہے جو مشکوک ہوتا ہے اس لیے میں نے ملازمت کے ترک کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، میں نے جواب لکھایا کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا، اب تجارت کہاں پاک رہی، مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ مولوی نورالحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لیے لا دیں تا کہ گڑبڑ نہ ہو، کھانا تیار ہوا، اس میں فیرینی بھی تھی، جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی، مولوی نورالحسن صاحب بہت پریشان ہوئے، تحقیق کیا تو معلوم ہوا جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا، پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے وار میں لے آیا تھا۔

ارشاد فرمایا: ''بی امۃ الرحمٰن'' جو مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں جن کو عام طور سے خاندان میں ''امی بی'' کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں، دن بھر مصلے پر رہا کرتی تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے، مولوی شمس الحسن صاحب، رؤف الحسن صاحب جو مولوی احتشام کے والد ہیں، ماموں رؤف الحسن صاحب میرے حضرت سے بیعت تھے، ماموں شمس الحسن آبکاری کے داروغہ

تھے، ان کی باتیں بھی عجیب تھیں، اپنے افسروں سے لڑا کرتے تھے، مگر رشوت کا کوئی پیسہ نہیں لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک بڑے افسر نے ان سے کہا کہ میں تمہاری تنخواہ میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں، غالباً دوسو کے چارسو کرنا چاہتا تھا، انہوں نے فرمایا کہ میری تنخواہ بہت زائد ہے کیونکہ میرے سوا اس تنخواہ کا ایک پیسہ بھی میرے خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا حتیٰ کہ میری بیوی بھی میرے پیسے کو استعمال نہیں کرتی، چنانچہ ان کے چچا مظفر نگر سے پہلی کر کے ان سے ملاقات کے لیے جاتے اور شام تک واپس چلے آتے، اور یہ فرماتے کہ تمہارے سوا اور کسی کے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اور تمہارے یہاں کھانا کھا نہیں سکتا۔

مولوی رؤف الحسن صاحب وکیل تھے مگر ان کی آمدنی کو خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا تھا، اب تو ہم مولویوں نے سب جائز بنا رکھا ہے، مولوی رؤف الحسن صاحب اچھے حافظ قرآن بھی تھے، ایک مرتبہ کاندھلہ گئے ''بی اماں'' نے ان سے کہا ۲۹ر کا چاند نظر نہ آیا، تمہارے رہنے سے کیا فائدہ؟ قرآن سنا دو، چنانچہ انہوں نے تراویح کے بعد نفل نماز کی پہلی رکعت میں پورا قرآن پڑھ ڈالا، اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر نماز پوری کی اور اپنے جوتے اٹھا کر چل دیئے، اور یوں فرمایا ''کہ میرے بس کا تو تھا نہیں، مگر آپ کی خاطر میں میں نے اس طرح پڑھ ڈالا''۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! ناجائز آمدنیوں سے بچتے رہو ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید

ہم نے سنا ہے کہ جس کا رمضان اچھی طرح گزر جائے، اس کا سارا سال اچھا گزرے

گا۔

ایک دیہاتی مبلغ کا قصہ: ارشاد فرمایا: میرا ایک مخلص نوجوان غلام نبی گاؤں کا رہنے والا تھا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بلند درجات عطا فرمائے، پہلے اس کا جوڑ تھانویؒ سے تھا، اخلاص کے ساتھ تعلقات میں سارے قانون ختم ہو جاتے ہیں، حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد اس کا تعلق مجھ سے قائم ہوگیا، اس میں دو باتیں عجیب تھیں، ایک یہ کہ وہ مسئلے بہت پوچھا کرتا تھا، قاری سعید مرحوم (مفتی اعظم مظاہر علوم) اس کا بہت خیال کرتے تھے، جب وہ آجاتا تو اس کے مسائل کے جوابات دیتے تھے، وہ مبلغ تھا، ہفتہ بھر گھومتا تھا، بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا، مساجد بنوائیں، اس سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو لکھ لیتا اور ہفتہ بھر کے بعد جواب دیتا، وہ کہا کرتا تھا، جتنی بیماریاں ہوتی ہیں، وہ سب سالن سے ہوتی ہیں، وہ اپنے سفر میں تین چار روٹیاں اپنے کپڑے میں باندھ لیتا تھا اور انہیں کو کھاتا تھا، اور میرے دستر خوان پر بھی وہ صرف روٹی کھاتا۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ بعض دفعہ مجھ پر بھی اعتراض کرتا تھا، مخلص آدمی جب اعتراض کرتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی، وہ کہا کرتا تھا کہ جتنے بزرگ پان کھایا کرتے ہیں وہ پیسے بچا بچا کر دین میں لگاتے تو کتنا فائدہ ہوتا، حضرت تھانویؒ حضرت سہارن پوریؒ تو پان نہیں کھاتے تھے۔

پہلے مجمع کم ہوتا تھا، جمعہ کی مجلس کچے گھر میں ہوتی تھی، پہلے میں ۹/بجے آیا کرتا تھا اور اب مجبوریوں کی وجہ سے مجلس گیارہ بجے ہوگئی ہے، ایک مرتبہ وہ جمعہ کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا حضرت جی! جتنے لوگ گاؤں سے آتے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں اور مولوی جتنے آتے ہیں وہ چپکے سے بیٹھ جاتے ہیں اس کے کہنے کے بعد میں نے

خیال کیا تو ایسا ہی پایا۔

اس کا انتقال عجیب وغریب شان سے ہوا، وہ میرے پاس آیا، اور کہنے لگا، میرا حج کا ارادہ ہے، میرے پاس پیسے روپئے کچھ زیادہ تو نہیں ہیں مگر میں دلی تبلیغ کے لیے جارہا ہوں، اگر وہاں سے جوڑ بیٹھ گیا تو حج کو چلا جاؤں گا، ورنہ تبلیغ کرتا رہوں گا، مگر کسی سے آپ ذکر نہ فرمائیں، لوگ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے، میں ان سے کہتا کہ وہ تبلیغ میں گیا ہے، پھر اس کا بمبئ سے خط آیا کہ وہ سفر حج کے لیے روانہ ہوا، حج سے فراغت کے بعد اس کی واپسی ہوئی، واپسی میں سخت بیمار ہوا، بمبئ میں احباب نے اس کا سامان وغیرہ دیکھ کر پتہ چلایا کہ اس کا مجھ سے بھی تعلق ہے، چنانچہ لوگوں نے ٹکٹ وغیرہ خرید کر اس کو ٹرین پر سوار کردیا، وہ سہارن پور آیا، اور یہاں سے وہ اپنے گاؤں چلا گیا، بخار کی حالت میں اس کا ہر چیز کھانے کو جی چاہتا، لوگ کہتے کہ پہلے تو کھاتا نہیں تھا، اب کیا ہوگیا، میں نے کہا کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ تو کھا کر جائے گا۔

ایک بزرگ کا مجاہدہ: ارشاد فرمایا: ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا آپ روزانہ کیا خرچ کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ سال بھر میں تین درہم، انھوں نے بتایا کہ ایک درہم کا شیرہ لیتا ہوں اور ایک درہم کا چوڑا اور ایک درہم کا گھی اور اس کے ۳۶۰ لڈو بنا لیتا ہوں، روزانہ افطار میں ایک لڈو کھالیتا ہوں، ظاہر بات ہے کہ جن ایام میں روزہ نہ رکھتے ہوں گے ان میں بھی روزانہ ایک لڈو پر قناعت کرتے ہوں گے۔

صوفی عبدالرب کا قصہ: ارشاد فرمایا: ایک صوفی عبدالرب صاحب (مجاز حضرت اقدس تھانوی) ہیں، میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس روپئے تک کا ہوتا

ہے، عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی، اس میں (مولانا) علی میاں اور مولوی منظور صاحب نعمانی اور صوفی صاحب بھی تھے، چنانچہ علی میاں اور مولوی منظور صاحب نے جماعت والوں کو اصول بتائے اور سکھائے اور کہا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا، دیکھو شیخ کی دعوت قبول نہ کرنا، زیادہ اصرار ہو تو ایک وقت ان کے یہاں کھانا کھالینا، مگر ہم دونوں کے ان سے ایسے تعلقات ہیں کہ کھانا تو وہیں کھائیں گے، چونکہ صبح لکھنؤ والی ٹرین لکسر سے اکثر کافی لیٹ آتی ہے اور پریشان کرتی ہے چنانچہ وہ لیٹ آئی غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی، صوفی صاحب کہیں پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ میرے یہاں آئے، بڑے حضرت رائے پوریؒ کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت علی صاحب تھے، وہ فرماتے ہیں ’’مولوی کا دماغ جب چلے ہے جب دستر خوان تو ہو دوسرے کا اور انتظام ہو اس کا، میرا بھی یہی حال ہے، میرا دماغ دوپہر کے کھانے میں خوب کھلتا ہے، ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے کھانے کے بعد ان دونوں سے کہا کہ آپ لوگ جو کچھ کہیں، میں کھانا تو یہیں کھاؤں گا، پندرہ دن تک قیام رہا، جب وہ جانے لگے تو بہت دعائیں دیں، شاعر بھی تھے، میرے ساتھ بھی شاعری برتی، انہوں نے مجھ سے تین باتیں دریافت کیں، ایک تو میں بھول گیا البتہ دو یاد ہیں، ان میں کی ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق بھی ہیں، میں نے آپ کو بہت معتدل پایا اس لیے جواب کی درخواست ہے، میں نے کہا کہ اگر گھر میں بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام ہو تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہئے، اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سننا، البتہ اگر باہر جماعت میں جاؤ تو سب انتظام مکمل کرلو اور عین

چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہو کہ سفر کا بہت سہم چڑھ رہا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے، تیری یاد بہت پریشان کرے گی، کسی کام میں دل نہیں لگے گا، مگر مجبوری ایسی پیش آ گئی کہ جائے بغیر چارۂ کار نہیں، جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا یہ کہہ کر خوب اس سے مل کر چل دو، اور اس سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفے میں اس کی محبت اور یاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے اسی سے ملو، اور کہو کہ سارے سفر میں تمہاری بہت یاد آئی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، سب کاموں سے جان چھڑا کر خدا خدا کر کے آ گیا ہوں اور اگر بیوی بچوں کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا۔

وہ جب یہاں سے واپس اپنے وطن (اناؤ) پہونچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے، انہوں نے لکھا کہ میں نے گھر پر آ کر سب اگل دیا، چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب کرنے کا ''تو'' کے ساتھ معمول نہیں ہے بلکہ ''آپ'' کے ساتھ ہے لیکن میں نے اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے، وہ دوسرے لفظوں میں نہیں بلکہ بیوی سے وہی الفاظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے، اس کو یہ طرز خطاب بہت اجنبی معلوم ہوا، اس لیے پوچھا کہ ''یہ سبق کس نے پڑھایا ہے--؟ جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا ہے۔

دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دست غیب حاصل ہے، میں نے آپ کی دکان کی آمد اور منی آرڈر کی خوب تحقیقات کیں، مگر دونوں کی آمدنی روزانہ کے دستر خوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، میں نے کہا کہ دست غیب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کبھی نقد نہ منگوائے، ادھار

منگوائے اور بھاؤ نہ پوچھے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگوالے، اور جب روپئے کا مطالبہ کرے فوراً ادا کردے میرا یہی معمول ہے، قرض خوب ملتا ہے، مگر جب ادائیگی کا اطمینان ہو۔

مہمانوں کی برکت سے حق تعالیٰ کھلاتا ہے: اس موقع پر ناچیز مرتب کو ایک واقعہ یاد آ گیا، جس کو تحریر کررہا ہوں، ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس صاحب سہارن پور حاضر ہوئے، ان کی آمد سے پیشتر مخدومی حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے حضرت اقدس سے ان کی آمد کا تذکرہ کردیا تھا، حضرت مولانا بھی سہارن پور تشریف رکھتے تھے، اور بھی کچھ اہم خصوصی مہمان آ گئے تھے، دوپہر کو دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے دیکھ کر ان رئیس صاحب نے کھانے کے دوران میں حضرت اقدس سے ایک بے تکا سوال کیا ’’کہ مولویوں کے یہاں تو یہ تکلفات نہیں ہوتے، کیا روزانہ کا یہی معمول ہے، یا آج ہی کا؟ جناب کا ذریعۂ معاش کیا ہے‘‘؟ اس پر حضرت نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ حق تعالیٰ مہمانوں کی برکت سے مجھے کھلاتا ہے۔

حضرت اقدس مدفیوضہم کے یہاں دیکھا گیا ہے کہ جس درجے کے مہمان ہوتے ہیں، ویسا ہی حق تعالیٰ شانہٗ انتظام بھی فرمادیتا ہے۔

ان رئیس صاحب نے کہا کہ حضرت! ’’اگر جناب لکھنؤ تشریف لائیں گے تو ہم سے تو یہ اہتمام نہ ہوسکے گا‘‘ حضرت اقدس نے فرمایا ’’آپ اطمینان رکھیں، لکھنؤ آنے ہی کا نہیں‘‘۔

چوتھی مجلس

(۴؍رمضان المبارک)

جو بزرگوں کی ابتداء کو دیکھے وہ کامیاب اور جو انتہا کو دیکھے وہ ناکام: آج چار افراد کی ایک جماعت ترکی سے آئی تھی، اور امریکہ کی جماعت بھی تھی، ایک صاحب ترکی میں اور دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمانی کررہے تھے۔

ارشاد فرمایا: ہمارے حضرت اقدس رائے پوریؒ فرماتے تھے کہ جب دانت تھے تو چنے نہیں ملے اور جب چنے ملے تو دانت ہی نہ رہے، یعنی جب کھانے کا زمانہ تھا تو عسرت و تنگی تھی اور جب فتوحات کے دروازے کھلے تو صحت و معدے نے جواب دے دیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے ''جو ہماری انتہا کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب، اس لیے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گزرتی ہے اور اخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں، اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہو جائے گا۔

اوپر والے جملے کو حضرت نے بار بار دہرایا، اور ارشاد فرمایا، میرے پیارو! اس پر غور کرلو، اور تمام بزرگوں کی زندگی میں اس کا مطالعہ کرلو، اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی پر اخیر زندگی میں بہت فتوحات ہوئیں اور ابتداءِ زندگی میں فاقے کرنے پڑے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مخلص دوست سے پیسے قرض مانگے مگر اس نے عذر کر دیا، اس پر حضرت کو بہت رنج وقلق ہوا کہ اس سے کیوں مانگے تھے، جس نے اس کو دیا ہے اس سے کیوں نہ مانگے، رات میں زیارت ہوئی کہ ابتلاء کا دور ختم ہوا، اس کے بعد فتوحات کے دروازے کھل گئے، حضرت اقدس رائے پوریؒ کے ایک مجاہدہ کا قصہ بیان کر چکا ہوں، نیز حضرت رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت اقدس (بڑے حضرت رائے پوریؒ) جب مہمانوں سے فارغ ہوجاتے تھے اور حضرت آرام فرماتے تو اخیر میں فارغ ہوکر معزالدین ناظم طعام کے پاس جاتا، اور جو کچھ ہوتا کھالیتا، اب ہمارے خدام سے مشکل ہے۔

ارشاد فرمایا: ؎

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ رگڑ[۱] جانے کے بعد

دیکھو حنا (مہدی) کی پتی جب رگڑ دی جائے تو وہ رنگین بنا دیتی ہے اور اگر بغیر رگڑے ہوئے اس کے پتے رکھ دیئے جائیں تو کچھ نہ ہوگا، حضرت مدنیؒ فرماتے تھے کہ مسجد اجابت میں ذکر کرتا تھا، جی چاہتا تھا کہ اس کی دیواروں سے سر پھوڑلوں۔

میرے پیارو! آدمی مجاہدوں سے بنتا ہے ؎

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

ایں خیال است ومحال است وجنوں

---

[۱] ترمیم فرمائی ’’گھس جانے‘‘ کے بجائے ’’رگڑ جانے‘‘ سے۔

ہر کام کا ایک ضابطہ واصول ہوتا ہے، ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے ڈاکٹری کے اصول وضابطے سیکھے، اس پر عمل کرنے سے کامیابی ہوگی، اسی طرح سلوک کے راستے میں کم کھانا، کم بولنا، کم سونا جس کو تم لوگ ''امدادالسلوک'' میں سنتے ہو، ان پر عمل ضروری ہے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوریؒ معروف بہ میاں صاحب کا قصہ:

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت اقدس رائے پوریؒ کے پہلے پیر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ تھے، جن کا مزار سہارن پور میں ہے، ان کے ایک خادم مولوی روشن علی صاحب تھے، اور مولوی روشن علی صاحب کے صاحبزادے مولوی فراغت علی صاحب تھے، ان کو میں نے بھی دیکھا ہے، حضرت شاہ صاحب کو ان سے خاص تعلق تھا، میرا چاند کہہ کر پکارتے تھے، ایک رات فضا میں ایک روشن دان جا رہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ میرے چاند! اگر تم چاہو تو میں اس کو اتار دوں چنانچہ حکم دیا، وہ نیچے اتر آیا، اس میں ایک پتلا تھا، جس میں بہت سے سوئیاں تھیں، حضرت نے فرمایا کہ تم کون! اس نے کہا کہ جادو، حضرت نے فرمایا کہ میری مانو گے یا جادوگر کی؟ اس نے کہا کہ آپ کی مانوں گا، حضرت نے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ جہاں سے تم آئے ہو وہیں واپس جاؤ، چنانچہ وہ واپس گیا، سنا ہے کہ وہ جادوگر مر گیا، حضرت نے فرمایا، اس طرح اس کمبخت نے کتنے لوگوں کو ہلاک کیا ہوگا۔

اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے:

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے ''بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود جن کو دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں، تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا

ہے" آدمی ریاضت ومجاہدے سے یہ مقام حاصل کرسکتا، دوسری حدیث میں ہے "لا یزالُ عبدیُ یتقرَّبُ الیَّ بالنوافل الخ" آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں، آگے مضمون کا یہ خلاصہ ہے کہ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہٗ کا راستہ بہت آسان ہے، تجربہ بھی ہے اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔

یعلم اللہ راہِ خدا بیش از دو قدم نیست
یک قدم بر نفسِ خود نہِ دیگرے بر کوئے دوست

ارشاد فرمایا: بھائی دیکھو، جو کچھ کرو، اللہ کی مرضی کے موافق کرو، اپنے جی و مرضی کے موافق نہ کرو، کچھ کرلو، رمضان المبارک میں اس کی مشق کرلو، ہمارے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دکان نہ کرو۔

حق تعالیٰ کی رضاو اخلاص کی برکت:

ارشاد فرمایا: ایک قصہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے والد صاحب سے سنا اور کئی مرتبہ سنا اور میں نے بھی حدیث کے اسباق اور دوستوں کی مجالس میں ہزاروں مرتبہ اس کو سنایا ہوگا، وہ یہ کہ قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے، ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی، معلوم نہیں اب ایسا ہی ہے یا نہیں، جمنا کا دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانے میں لوگ جوتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں، جہاں پانی زیادہ ہو، وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں، ملاح دو چار پیسے لے کر اِدھر سے اُدھر پہونچا دیتے ہیں، لیکن جمنا

جب طغیانی پر ہوتو پھر عبور کرنا ناممکن ہوتا ہے، ایک شخص پانی پت کا رہنے والا جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی کا نہایت زور، وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد درآمد کرتا رہا مگر ہر شخص کا ایک جواب تھا کہ اس میں تیرے ساتھ ہم اپنے آپ کو ڈبوئیں گے، وہ بیچارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا، ایک شخص نے اس کی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اگر میرا نام نہ لے تو ترکیب میں بتلاؤں، جمنا کے قریب فلاں جگہ ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے، اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے پڑے رہتے ہیں، ان کے جا کر سر ہو جا، خوشامد منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا، اور وہ جتنا بھی برا بھلا کہیں حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں تو بھی منہ نہ موڑنا، چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے خوشامد درآمد کی، انہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں، میں کیا کر سکتا ہوں، مگر جب یہ روتا ہی رہا (اور رونا تو بڑے کام کی چیز ہے، اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے) تو ان بزرگ نے کہا کہ جمنا سے کہہ دے کہ اس شخص نے جس نے عمر بھر نہ کچھ کھایا، نہ بیوی کے پاس گیا، اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دیدے، چنانچہ یہ گیا اور جمنا نے راستہ دے دیا، اس کا تو کام ہو گیا۔

اس میں کوئی استبعاد نہیں، پہلے انبیاء کے معجزات اس امت کی کرامات ہیں، اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کرامؓ کے بھی تواریخ میں منقول ہیں، اور کراماتِ صحابہؓ پر تو مستقل ایک رسالہ، حضرت تھانویؒ کے حکم سے لکھا گیا تھا، جس میں علاءؓ حضرمی صحابی کی ماتحتی میں ایک جہاد کسریٰ سے ہوا تھا، سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر پار کر لینا جس میں زینیں نہ بھیگیں نقل کیا گیا ہے، عامل کسریٰ یہ دیکھ کر ایک کشتی میں بیٹھ کر یہ کہہ کر بھاگ گیا، ''کہ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے''، اس واقعہ کو ابن عبدالبر مالکی اور

تاج الدین سبکی نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

اس جھونپڑی میں ان بزرگ کے بیوی بچے بھی تھے، دینداروں کی بیویاں ڈیڑھ خصم ہوتی ہیں، یہ بے چارے اس فکر میں رہتے ہیں کہیں زیادتی نہ ہوجائے، وہ اس سے غلط فائدہ اٹھا کر سر چڑھ جاتی ہیں، ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کیا کہ تو نے عمر بھر جو یہ کہا کہ میں بیوی کے پاس کبھی نہیں گیا، یہ ستّہ کی دھاڑ میں کہاں سے لائی؟ انہوں نے ہر چند سمجھایا کہ یہ میری اولاد ہے، میں نے ان کی اولاد ہونے سے انکار نہیں کیا مگر اس نے اتنا رونا چلانا شروع کیا کہ تو نے میرا منھ کالا کردیا، وہ ساری دنیا میں جا کر کہے گا کہ پیر صاحب تو بیوی کے پاس گئے نہیں یہ اولاد کہاں سے آ گئی، ہر چند پیر صاحب نے سمجھانا چاہا، مگر اس کی عقل میں نہیں آیا، اور جتنا جتنا وہ کہتے وہ روتی، جب بہت دیر ہوگئی تو ان پیر صاحب نے یوں کہا کہ میں نے ساری عمر خوب کھایا، اللہ کا شکر ہے اور تیرے سے صحبت بھی ہمیشہ خوب کی، تجھے معلوم بھی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ میں نے بچپن میں ایک مولانا صاحب سے وعظ میں ایک بات سنی تھی، وہ یہ کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے وہ دنیا نہیں دین بن جاتا ہے، اور عبادت بن جاتا ہے اور ثواب بن جاتا ہے، اس وقت سے جب کوئی چیز میں نے کھائی یا تو اس نیت سے کھائی کہ اس سے اللہ کی عبادت پر قوت حاصل ہو، یا اس نیت سے کھائی کہ لانے والے اور کھلانے والے کا دل خوش ہو، اسی طرح میں شادی کے بعد سے تیرے پاس خوب گیا ----، اس لیے جب بھی میں تیرے پاس گیا، تیرا حق ادا کرنے کی نیت میں نے پہلے سے کرلی کہ اللہ نے بیوی کا حق رکھا ہے، میں نے تو یہ قصہ اپنے والد صاحبؒ سے سنا، بار بار سنا، ایسے ہی سنا، مگر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب

دام مجدہم نے حضرت الحاج شاہ محمد یعقوب مجددی نقشبندی بھوپالی کے جوملفوظات جمع کیے ہیں اس کے صفحہ ۳۵۶ پر یہ قصہ دوسری نوع سے نقل کیا ہے جوحسب ذیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر رہتے تھے، دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر، ایک بزرگ نے جو متاہل اور صاحب اولاد تھے، اپنی بیوی سے کہا کہ کھانے کا ایک خوان لگا کر دریا کے دوسرے کنارے جو دوسرے بزرگ رہتے ہیں، ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو کھانا کھلاؤ، بیوی نے کہا کہ دریا گہرا ہے، میں اس کو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے پر جاؤں گی فرمایا کہ جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر میں وہ تعلق ہو، جو زن وشوہر میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے، ورنہ میں پار ہو جاؤں، اس نے یہی کہا، یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہو گئیں، انہوں نے کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ کو پیش کیا، انہوں نے اس کو اکیلے تناول فرمالیا (یعنی ختم کرلیا) جب واپس ہونے کا وقت ہوا، تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا، اب جاتے وقت کیا کہوں؟ ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ میں دریا سے کس طرح پار ہوں، انہوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟ انہوں نے کہا میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں، انہوں نے فرمایا کہ اب جاتے وقت تو میرا نام لے کر کہنا کہ اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو، تو ڈوب جاؤں ورنہ پار ہو جاؤں، چنانچہ وہ پار ہو گئیں، اب انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحب اولاد ہو کر خلافِ واقعہ بات کیوں کہی؟ اور ان بزرگ نے آنکھوں کے

سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے کا انکار کیوں کیا؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ بھی امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا، اور دنیا جو کچھ کرتی ہے، اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا ہے، امر الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا، اس لیے دنیا جس کو ازدواجی تعلق اور شکم پروری اور نا ؤ نوش سمجھتی ہے ہم دونوں میں کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ وہ پہلا ہو، اس قسم کے واقعات متعدد ہو سکتے ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کے اس قسم کے واقعات، پانی پر چلنا، دریا میں گھوڑوں کو اتار دینا، مشہور ہیں۔

ہر نیکی صدقہ ہے:

ارشاد فرمایا: حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں، جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اٹھتا ہے، تو ہر جوڑ کی صحت وسلامتی کے بدلے اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے، اس حدیث میں آگے یہ مضمون ہے، آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے، یہ بھی صدقہ ہے، اس روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے، اس میں صدقہ ہے؟ صحابہ کرامؓ کو اللہ جل شانہ بہت ہی درجات عالیہ اپنی اور ان کی شایانِ شان عطا فرمائے، حضور اقدس ﷺ سے ذرا ذرا سی بات دریافت کر کے امت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے، حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل گرا دے یعنی حرام کاری کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا،

ضرور ہوگا، تو حضورؐ نے فرمایا پھر یعنی اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا[1]۔

تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ:

تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ: ارشاد فرمایا: مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے دیکھنے والے تو ابھی بہت ہوں گے اور سننے والے تو بہت زیادہ، منتہا میں تو مرحوم کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی، اور تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ بجائے دہلی کے سہارنپور میرے پاس رہنے کی تمنائیں بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے، بلکہ اصرار بھی اور میں اپنے بیکار اور ان کے باکار ہونے کی وجہ سے اس کو کبھی قبول نہیں کرتا تھا، لیکن ابتدا میں میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت ہی خراب تھے، ان کی تو مظاہر میں کبھی اس زمانے میں آمد نہیں ہوتی تھی، لیکن مجھے دیوبند کبھی کبھی حضرت قدس سرہٗ کا فرستادہ بن کر کتب خانہ سے کسی کتاب کی تلاش میں یا محترمین مہتممین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں مشورہ کے لیے جانا ہوتا تھا، رئیس الاحرار صاحب مجھ سے بہت واقف تھے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، مدرسہ کا مدرس ہوں، میں ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ لدھیانہ کا کوئی طالب علم ہے جس کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی تعلق نہیں، لیڈری کرتا ہے، وہ چونکہ گھومتے رہتے تھے، اس واسطے میری دیوبند کی ہر مرتبہ کی آمد پر دو تین مرتبہ ان کا سامنا ہوتا تھا اور وہ بہت چلا کر مجھے سنا کر بہت ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے، اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں سیاست سے بالکل بے تعلق اخبار بینی کا دشمن ہوں اور اس زمانے میں دیوبند و سہارنپور میں اخبار بینی آئی بھی نہیں تھی، سہارنپور کا کوئی

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الضحیٰ۔

طالب علم یا مدرس تو اخبار بینی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا بلا ہے؟

حضرت قدس سرہٗ کی چار پائی پر عصر کے بعد دو چار اخبار پڑے رہتے تھے، جن کو کوئی باہر کا مہمان اٹھا کر دیکھ لیتا تھا، دیو بند میں مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور ان کے ہمنوا تو نہایت مخالف اور اخبار کے دشمن، لیکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ مدرسین کوئی ایک آدھ دیکھ لیتا تھا۔

رئیس الاحرار مرحوم جب مجھے دیکھتے دور سے چلا کر کہتے ''ایسے شخص کا وجود زمین پر بوجھ ہے یہ مر کیوں نہیں جاتے، ان کے لیے زمین کا اندرون زمین کے بیرون سے بہتر ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

اور اس ناکارہ کی اتنی جرأت تو نہیں ہوتی تھی کہ پکار کے کچھ کہتا، مگر ایک دو طالب علم جو مجھے دیکھ کر میرے ساتھ ہو لیتے تھے، ان سے پیاماً کہلوا دیتا کہ اس شخص کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے، مدرسہ کا چندہ لیڈری کے واسطے نہیں آتا، جس شخص کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی واسطہ نہ ہو، مطالعہ سبق سے کوئی کام نہ ہو، اس کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے، مدرسہ کے اندر قیام ناجائز ہے، مدرسہ کی ہر قسم کی اعانت حاصل کرنا گناہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس پیام پر مرحوم اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا کرتے، کئی سال یہی قصہ رہا، مگر اللہ جل شانہ نے ان کی دستگیری فرمائی کہ اعلیٰ حضرت قدوۃ الاتقیاء فخر الاولیاء حضرت الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے اخیر زمانۂ حیات میں حضرت قدس سرہٗ سے الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ بیعت ہو گئے، اس زمانہ کا دستور یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت سے جو شخص بیعت ہونا چاہتا، ضعف و

نقاہت کی وجہ سے حضرت خود تو نہ فرماتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ بیعت کے الفاظ کہلا دیتے تھے، بڑوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اثر سے خالی نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہ تعلق رنگ لائے بغیر نہیں رہا، اور اخیر میں تو رئیس الاحرار کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے عشق کا تعلق ہو گیا تھا اور حضرتؒ کی وجہ سے اس سیہ کار سے بھی، لیکن شروع کے چند سال ایسے گزرے کہ مرحوم اپنی سیاست میں رہتے، کلکتہ، بمبئی اور پشاور وغیرہ ان کی گزرگاہ تھی اور سہارنپور ہر جگہ کا جنکشن، اس لیے جب سہارنپور سے گزر ہوتا تو ہم روز واپسی یا ایک شب قیام کے لیے رائے پور بھی جاتے، اس کے دیکھنے والے تو آج بھی سینکڑوں ہیں کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کو اس سیہ کار کے ساتھ عشق کا سا تعلق تھا۔

جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میرے مخلص دوست صوفی اقبال پاکستانی ثم المدنی جو پاکستان میں ملازم تھے، جب حضرت رائے پوریؒ پاکستان جاتے اور صوفی اقبال مجھے خط لکھتے تو بہت اصرار سے مجھے لکھا کرتے کہ خط کے جواب میں حضرت رائے پوریؒ کو سلام ضرور لکھ دیجیو، اس لیے کہ جب میں عصر کے بعد مجلس میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ "شیخ کا خط آیا ہے، حضرت کو سلام لکھا ہے، تو فوراً چارپائی کے قریب بلایا جاتا ہوں اور فوراً خیرت وحالات وغیرہ دریافت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے مغرب تک چارپائی کے قریب بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے، اس تعلق کی بنا پر جب کوئی شخص رائے پور حاضر ہوتا تو حضرت کا پہلا سوال یہ ہوتا" کہ شیخ سے مل کر آئے یا نہیں" اگر وہ یہ کہتا کہ مل کر آیا ہوں، تو بڑی بشاشت سے بات پوچھتے، خیریت

پوچھتے، کیا کر رہے تھے، کوئی پیام دیا ہے، وغیرہ وغیرہ اور اگر وہ کہتا کہ مل کر نہیں آیا ہوں تو زیادہ التفات نہ فرماتے، بلکہ جیسا تعلق ہوتا، ویسا برتاؤ کرتے، اس مجبوری کو بہت سے ایسے لوگ جن میں رئیس الاحرار بھی تھے باوجود دل نہ چاہنے کے نہایت گرانی کے ساتھ کھڑے کھڑے مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے، تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہو کر آیا ہوں اور سلام عرض کیا ہے اور میں بھی اس قسم کے لوگوں سے باوجود دل نہ چاہنے کے چاہے کتنی ہی مشغولی کا وقت ہو اور کتنا ہی ضروری کام کر رہا ہوتا، ضرور بلا کر حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیتا، مبادا وہ جا کر کہہ دیں کہ میں حاضر ہوا تھا، مگر باریابی نہ ہوئی۔

رئیس الاحرار سے کئی سال صرف اسی نوع کی ملاقات رہی، ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے، میں نے کہا جلدی بلا دے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا رائے پور جا رہا ہوں، اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں، اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا، ''صرف تصحیح نیت''، اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا **''إنما الأعمال بالنیات''** سے ہوتی ہے، اور انتہا **''أن تعبد اللہ کانک تراہُ''** ہے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے دلی سے یہ سوچتا آ رہا ہوں، کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی

نہیں، میں نے کہا جاؤ، تانگے والے کو بھی تقاضہ ہوگا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو، اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا، دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کرلوں گا، لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی، مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آ گئے، اور کہا کہ کل رات تو ٹھہرنا مشکل تھا، اس لیے کہ مجھے فلاں جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھیرنا ضروری ہوگیا، اس لیے کہ ایک دن پہلے میں چلا آیا اور یہ بھی کہا کہ تمہیں معلوم ہے، مجھے نہ تم سے کبھی عقیدت ہوئی نہ محبت'' میں نے کہا علیٰ ہذا القیاس، مرحوم نے کہا'' مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا، اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آتا، میں نے کہا انشاء اللہ مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں، ''**إنما الاعمال بالنيات**'' سارے تصوف کی ابتداء ہے اور'' **أن تعبدالله كانك تراه**'' سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تہویٰ دع الدنیا واہملہا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم ﷺ کی نظر کیمیا کے اثر سے ایک

ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی، اس کے بعد اکابر اور حکماء امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطباء روحانی امراض کے لیے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں، نسخے تجویز فرماتے ہیں، جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہونچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے، پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ''آپ بیتی ۲''۔

پانچویں مجلس

(۵/رمضان المبارک)

ایک ضروری تنبیہ: حضرت نے ارشاد فرمایا: میرے پیارو! بڑے سکون سے ماہ مبارک گزارو، جو دن گزر جائے گا، وہ پلٹ کر آنے والا نہیں، اگلے سال کی خبر نہیں کہ آوے گا یا نہیں، تم لوگوں نے اپنے گھر کی راحتیں چھوڑی ہیں، اس کے بعد بھی اگر کچھ وصول نہ کرو تو تکلیف ہی تکلیف ہے، اگرچہ میں مولوی نصیر الدین اور اس کے رفیق کار شیخ انعام اللہ کو بار بار تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ کھانے وغیرہ کا خاص اہتمام کیا جائے۔

مدارس کی سرپرستی سے ڈرتے رہنا چاہئے: ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ (سرپرست دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم) کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا اور خود بھی سنا ہے کہ ”مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے، اتنی کسی چیز سے نہیں“ یہ سنا کر حضرت نے فرمایا، میں بھی اس سے ڈرتا ہوں، مظاہر علوم کی سرپرستی مجھ پر زبردستی تھوپ دی گئی تھی، میرے پاس دو ڈھائی ہزار مختلف مدارس و مکاتب کے خطوط سرپرستی کے لیے آئے ہوں گے، میں نے اپنی معذوریوں کی بناء پر ہمیشہ انکار

کیا، بڑے حضرت رائے پوریؒ فرماتے تھے اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو ملازمت سے علیٰحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے، تو معاف ہوسکتا ہے لیکن مدرسوں کا روپیہ جو بیچارے عوام کے چندہ سے آتا ہے، ہم سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں، اگر اس کے صَرف واستعمال میں افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے تو معاف ہو نہیں سکتا، اس لیے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے۔

اتنا ضرور ہے کہ اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں، تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے گا لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا۔

مدارس کے معاملات میں ہمارے اکابر کی احتیاط وتورّع: حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے اب سے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات اساتذہ و منتظمین و ملازمین کے لیے ایک مضمون لکھایا تھا جس میں اپنے قریبی اکابر و اسلاف کے کچھ واقعات ذکر کرکے دکھلایا تھا کہ مدارس کے معاملات میں ان حضرات کا رویہ کس قدر احتیاط وتورع کا تھا اور وہ خاص اس باب میں آخرت کے محاسبہ سے کس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے یہ مضمون ''آپ بیتی ۱'' کے اخیر میں طبع ہو چکا ہے، موقع کی مناسبت سے اس سے اخذ کرکے چند واقعات نقل کر رہا ہوں، حضرت

اقدس نے بھی وقتاً فوقتاً ان واقعات کو اپنی مجالس میں سنائے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (بخاری و ترمذی کے محشی) جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے (وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات تھے) تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمدوخرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا، وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی، اس لیے وہاں کے آمدورفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔

(۲) حضرت اقدس سیدی مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ جب یک سالہ قیام حجاز کے بعد ۱۳۴۴ھ کے آخر میں مظاہر علوم میں واپس تشریف لائے تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا، حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا کہ ''میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کرسکتا، لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے، اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، اور مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کرسکتا، اس لیے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔

(۳) مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا، میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین و ملازمین اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے، البتہ حضرت قدس سرہٗ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا، جو متفرق

مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا، مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ دو شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے، اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔

(۴) میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ) قدس سرہٗ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسے کے قریب کسی طباخ کی دوکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دوکان سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا، تو ہر ماہ دو تین روپئے یہ فرما کر چندہ میں داخل کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے، تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

(۵) حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ (مظاہر علوم) کے مہتمم بھی تھے مفتی بھی تھے، اور عدالتی تمام کاروبار ان ہی کے ذمہ تھا، لیکن دفتر میں ان کے پاس دو قلم دان رہتے تھے، ایک ذاتی ایک مدرسہ کا، ذاتی قلم دان میں کچھ ذاتی کاغذ بھی رکھے رہتے تھے، اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا تو اپنے قلم دان سے لکھتے تھے مدرسہ کے قلم دان سے کبھی نہیں لکھتے تھے۔

أُولئک آبائی فجِئنی بمثلهم إذا جمعتنا یا جریر المجامع

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے نبوت کے یہ وارث ہیں، یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر　　انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے　　انہیں کا کام ہے، دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں　　پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

مدارس میں اسباب تعیش کا میں مخالف ہوں: ارشاد فرمایا: ہمارے یہاں اسٹرائک میں ایک مطالبہ تھا کہ دار الطلبہ کے صحن میں ایک بلب سو واٹ کا ہونا چاہئے، میں نے کہا کہ لگانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں، مگر ذرا ان درخواست کنندگان سے پوچھ لو، ان کے گھر میں کیا جلتا ہے، چراغ ہی جلتا ہوگا۔

میں اپنے مدرسے میں بجلی کے پنکھوں کے لگانے کا مخالف رہا ہوں، حضرت ناظم صاحب (مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ) رنگون سے مظاہر علوم میں بجلی کے پنکھوں کے لیے رقم لائے، میں نے عرض کیا کہ میری زندگی میں تو لگیں گے نہیں بعد میں رنگون والوں نے مطالبہ کیا، میں نے کہا کہ اگر پیسوں کا مطالبہ ہے تو واپس کر دو، مگر بعد میں مولانا اسعد اللہ صاحب نے اپنے دور نظامت میں لگوا دیئے، مدرسہ والوں کا عام دستور ہے کہ جب کہیں سے کچھ مل جاتا ہے تو واپس نہیں کرتے۔

میری مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتداء ہی سے طالب علم متنعم و معشوق رہے گا، تو کسی مسجد یا مدرسہ میں معمولی تنخواہ میں کیا کام کرے گا بلکہ اس کو لمبی تنخواہ چاہئے اگر یہ نہ ملے گی تو دکان وغیرہ کرلے گا۔

اپنے مکان میں بجلی لگوانے کی مخالفت: فرمایا: ایک صاحب جو حضرت اقدس

مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلقین میں تھے اور مجھ سے بھی عقیدت رکھتے تھے، انھوں نے دیوبند جا کر حضرت کے مکان میں بجلی لگوائی، اس کے بعد میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کے مکان میں بجلی لگوانا چاہتا ہوں، میں نے عذر کیا کہ اس کے اخراجات مجھ سے ادا نہ ہوں گے، انھوں نے کہا کہ یہ میرے سر رہیں گے، پھر بھی میں نے عذر کیا، انھوں نے کہا کہ حضرت مدنیؒ کے یہاں میں لگوا آیا ہوں، میں نے کہا کہ حضرت تو سال میں کئی مرتبہ جیل جاتے ہیں، میں بھلا ان کی ریس کیا کر سکتا ہوں مگر ادھر آ کر میری معذوریوں کے بعد میری عدم موجودگی میں مولوی نصیرالدین اور ابوالحسن نے لگوا ہی دی۔

سادگی: ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے:

وایّاک والتنعم فان عباد اللہ لیس بمتنعمین.	عیش پرستی سے بچو، کیوں کہ اللہ کے مخصوص بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس گنگوہیؒ حج کے لیے تشریف لے گئے، بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، مطاف کے کنارے ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے، جب طواف میں حضرت اس طرف گزرے تو وہ ''البس لباس الصالحین'' ہلکی آواز سے کہتے اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنا کرتا سامنے کر کے خشن خشن (موٹا موٹا) فرمایا، جس سے تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس موٹا کپڑا ہے [۱]۔

---

[۱] مقصد یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے باطن کو صالح بنایا ہے تو لباس بھی صالحین کا اختیار کرو، دوسری قسم کے لباس سے کب تک صلاح باطن چھپاؤ گے۔ (افادہ حضرت مفتی محمود الحسن مدظلہ)

مقوی کھانا کھانے سے میں منع نہیں کرتا، کیوں کہ اس سے دماغ میں قوت آئے گی، البتہ گلاب جامن وغیرہ کھانے سے تقویت نہیں آئے گی، لیکن اچھا وعمدہ کپڑا پہننا بالکل بے کار ہے، نفس موٹا ہوتا ہے، موت کو یاد رکھو، زیادہ پرہیز کے پیچھے نہ پڑو۔

چھٹی مجلس

(۶؍رمضان المبارک)

ہر چیز میں میری تقلید نہ کرو: فرمایا: الحمدللہ مجھے بیماری میں پرہیز وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں تھی ایک مرتبہ مجھے پھنسیاں نکل آئی تھیں اوران سے رال بہہ رہی تھی، گنگوہ سے ایک حکیم صاحب آئے، انہوں نے مجھ کو کاڑھا پلایا جو تین دن پکایا گیا تھا، انتہائی کڑوا ہوگیا تھا، میں نے اس کو پیا، مگر کسی طرح آرام نہیں ہوتا تھا، نمک مرچ وغیرہ میرے لیے حکیموں نے بند کردیا، اس زمانے میں حکیم ایوب اورمولوی نصیرالدین مجھ سے مقامات حریری پڑھتے تھے، میں باہر کے کمرے میں ان کو پڑھاتا تھا، میری والدہ نے فقیروں کے لیے میری جیب میں کچھ پیسے ڈال رکھے تھے، مجھ سے زیادہ فقیر کون ہوگا، میں نے مولوی نصیر کو پیسے دیئے کہ بازار سے کباب لاؤ، اس میں خوب مرچیں تھیں، وہ کباب لایا اور میں نے خوب کھایا، دوڈھائی گھنٹے تک تکلیف کی شدت سے موت یاد آنے لگی، اس کے بعد قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی، اسی وقت ساری پھنسیاں خشک ہوگئیں، میں جب باہر آیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کیا میں نے کہا دو دن کے بعد بتلاؤں گا، بھائی تم لوگوں کو ہر چیز میں میری حرص نہ کرنی چاہیے۔

راقم نے یہ واقعہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ بیمار تھے، حضرت اقدس مدفیوضہم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ ان کو ۱۰۲ ڈگری بخار ہے، حضرت نے فرمایا ذرا مجھے تھرمامیٹر لگا کر دیکھو، چنانچہ لگایا گیا، تو حضرت اقدس کو آخری ڈگری تک بخار تھا، اس پر حضرت ناظم صاحب اور دیگر خدام حیرت زدہ رہ گئے، اس لیے کہ اسباق اور معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

کتابوں کی رائلٹی: ارشاد فرمایا: میری کتابوں پر کوئی رائلٹی نہیں ہے، طبع کرانے کی عام اجازت ہے، مگر صحت کا خاص اہتمام رکھا جائے، کلکتہ کے ایک صاحب نے فضائل کی کتابوں کو طبع کرایا، ایک جگہ اس میں ایک سطر درمیان سے چھوٹ گئی تھی، اور وہاں کسی مسجد میں پڑھی جا رہی تھی، ایک مولوی صاحب نے اعتراض کر دیا کہ یہ غلط ہے، حالانکہ ان کا اعتراض صحیح تھا، مگر عقیدت مندوں نے ایک ہنگامہ کر دیا کہ ''حضرت شیخ پر اعتراض؟'' چنانچہ مجھے اطلاع کی گئی، میں نے اس عبارت کی تحقیق و تصحیح کر کے وہاں مطلع کیا، تب جا کر جھگڑا ختم ہوا، بھائی میری کسی بات کی جب تک کسی مفتی سے تحقیق نہ کر لو میرا اتباع نہ کرو۔

بغیر واقفیت کے مسائل میں رائے زنی گمراہ کن ہے: ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ گرمی کے موسم میں موچیوں کی مسجد میں رہتے تھے، اس زمانے کے طالب علم بڑے نیاز مند ہوتے تھے، آج کل کی طرح نہیں کہ وہ اپنے کو علامہ سمجھتے ہیں اور اپنا کرم سمجھتے ہیں کہ استاذ سے پڑھ رہے ہیں، اس زمانے میں مظاہر علوم میں ولایتی طالب علم کثرت سے آتے تھے، وہ خدمت کرتے تھے، پیر دباتے تھے، ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں والد صاحب بیٹھ کر غسل فرما رہے تھے اور وہ

لوگ پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈالتے جارہے تھے، محلّہ کے ایک وکیل صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اسراف ہے، اس طرح غسل کرنا کہاں جائز ہے؟ والد صاحب نے فرمایا میرے لیے جائز ہے، ان کو حیرت ہوئی، انہوں نے کہا کہ مولویوں کے لیے ہر چیز جائز کیوں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی مسائل جانتا ہے اور تم ناواقف ہو، اس وقت میرا یہ غسل تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے) کے لیے ہے، اس میں تین مرتبہ پانی ڈالنے کی قید نہیں ہے۔

فرمایا: ''الاعتدال'' میں شامی کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے کہ ''اگر کوئی شخص قربانی کے لیے جانور خریدے اور وہ گم ہوجائے اس کے بعد وہ دوسرا جانور قربانی کی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے، اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے، جس جانور کی دل چاہے قربانی کردے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے۔

مسئلہ بالکل صاف ہے، لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی ہے محض ذہانت اس میں کیا تیر چلائے، دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، نماز کے بعد یاد آئے، اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہوگئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، تو نماز ہوگئی۔

کیا روشن دماغ یا شستہ تقاریر و تحریرات سے بلا واقفیت اصول و حقائق شرعیہ

اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہو سکتی ہے؟

فرمایا: میری ایک بچی نے قاعدہ بغدادی شروع کیا، اس میں ''آن، بان'' کی تختی آئی، اس میں جب ہمزہ پر پہونچی تو ''ہمزان'' پڑھا، اس کی ماں نے کہا کہ یہ ''آن'' ہے مگر وہ اصرار کرتی رہی کہ اماں یہ ''ہمزان'' ہونا چاہئے، ماں پریشان ہوئی، اور اس نے کہا جب تیرے ابا آئیں گے تو ان سے پوچھ لینا، جب میں گیا تو اس نے وہی اعتراض کیا، میں نے کہا بیٹی ابھی تیری سمجھ تھوڑی ہے ابھی تو تم ''آن'' پڑھو، بڑی ہونے کے بعد سمجھ میں آجائے گی، بہر حال مسائل شرعیہ کے قواعد سے واقفیت کے بغیر رائے زنی گمراہ کن ہے۔

حوادث پر صبر جمیل: ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب کا ۲۵؍رمضان المبارک شب قدر کو انتقال ہوا اور میری والدہ صاحبہ کا بھی اگلے سال ۲۵؍ ہی رمضان ۱۳۳۴ھ کو وصال ہوا، میں حکیم ایوب صاحب کی مسجد میں تراویح پڑھاتا تھا، میرے حضرت کا تقاضا تھا کہ میں حضرت کے ساتھ پڑھا کروں اور حکیم اسحاق صاحب کا اصرار تھا کہ میں ان کی مسجد میں پڑھایا کروں، چنانچہ میں آدھ گھنٹہ میں سب نمازیں پڑھ کر حضرت کی تراویح کی پہلی رکعت میں آکر شامل ہو جایا کرتا تھا، تراویح کے بعد کھانا کھانے کا معمول تھا، مگر والدہ صاحبہ نے اپنے انتقال کی شب میں مجھے اصرار سے تراویح کے پہلے کھانا کھلا دیا تھا، نماز سے فراغت کے بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ گھر پر والدہ صاحبہ کو دیکھ کر حضرت کے یہاں جاؤ، مجھے اندازہ تو ہو گیا تھا، چنانچہ جب میں گھر پر حاضر ہوا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

میرے حضرت پر میرے حوادث کا بہت اثر ہوتا تھا، میری پہلی بیوی کی کئی

اولاد کا انتقال ہوا، نظام الدین میں ایک بچہ پیدا ہونے اور اس کے انتقال کی خبر سہارنپور پہنچی، میں اس وقت ''بذل المجہود'' لکھنے کے لیے قلم لے کر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا مجھ سے تو لکھا یا نہیں جاتا، حضرت امام بخاریؒ نے ''کتاب الجنائز'' میں دو باب قائم کیے ہیں، ایک باب ہے **''من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن''** ج۱ص۱۷۳، اور دوسرا باب ہے **''من لم يظهر حزنه عند المصيبة''** ج۱ص۱۷۳، پہلے باب میں اصحابؓ موتہ کی شہادت کا واقعہ ذکر کیا ہے جب کہ اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دوسرے باب میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے، جب ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا تو انہوں نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ بچہ کا انتقال رات میں ہوا، اور صبح کو اپنے شوہر کو اطلاع دی۔

اس حادثہ پر مولوی یوسف مرحوم نے مجھے ایک نہایت رنج وغم کا خط لکھا، میں نے اس کو ڈانٹ کر جواب تحریر کیا کہ اس قدر غم نہیں کرنا چاہئے، جب اس کا علم میرے چچا جان کو ہوا تو، انہوں نے مجھے ایک ڈانٹ کا خط لکھا، میں نے جواب میں لکھا کہ بخاری کے پہلے باب پر میرے حضرت کا عمل ہے اور دوسرے پر میرا اس پر انہوں نے مجھے تنبیہ کا خط لکھا۔

حضرت اقدس کو والدہ مرحومہ کے انتقال کا علم ہوا تو حضرت اعتکاف میں تھے، فرمایا استنجاء تو اپنے بس کا ہے، چنانچہ پیشاب کے تقاضے سے باہر تشریف لائے اور وضو کر کے نماز جنازہ پڑھائی۔

نماز میں لقمہ کا لطیفہ: فرمایا: حضرت کے پیچھے دس بارہ حفاظ قرآن سنتے تھے، ایک

مرتبہ میں اپنی مسجد میں تراویح ختم کر کے آیا، تو معلوم ہوا کہ حضرت کی مسجد میں تراویح ہورہی ہے، میں نماز میں شریک ہوگیا، چنانچہ حضرت نے نماز میں سورہ طلاق کی آیت ”**یا یھا النبی**“ الخ شروع فرمائی، میں نے لقمہ دیا”**یا یھا الذین آمنوا**“ تو حفاظ نے تصحیح کی، نماز ختم کرنے کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس طرح لقمہ کیوں دیا، میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آگے کے سارے صیغے جمع کے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ کہیں اس میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔

بمئے سجادہ رنگین کن......الخ کا مطلب: ارشاد فرمایا: کہ بڑوں کی چیزوں پر بغیر تحقیق نہ اعتراض کرنا مناسب ہے اور نہ عمل کرنا مناسب ہے ۔

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

یہ شعر اپنی جگہ حقیقت ہے، پھر اس شعر کی تشریح فرمائی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے کسی مولوی صاحب نے اس کا مطلب پوچھا اور بہت اصرار کیا، حضرت نے ان کو دس روپئے دیئے اور کہا کہ فلاں گلی میں جاؤ، وہاں جو حسین و جمیل عورت ملے، اس سے تعلق جوڑ لینا، چنانچہ وہ گئے اور اس طرح کی ایک عورت کا پتہ معلوم کیا، اس کے پاس پہنچے، اور اس کو وہ روپئے دیئے، مگر وہ عورت رونے لگی، انہیں حیرت ہوئی، انہوں نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ یہ شنیع کام میں نے کبھی نہیں کیا ہے، انہوں نے اس سے کہا کہ تم پھر یہاں کیسے آ گئی ہو؟ اس نے کہا کہ نکاح کے بعد رخصت ہوکر برات کے ساتھ جارہی تھی، راستے میں ڈاکو آ پہنچے، برات کو لوٹا اور مجھے یہاں لاکر فروخت کردیا، مولوی صاحب نے اس کے والد

کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ ان ہی کی بیوی ہے اور یہ مولوی صاحب ہی اس کے شوہر ہیں۔

عملیات وتعویذات: فرمایا: میرے نانا مولوی یوسف صاحبؒ تھے، ان کے پاس بہت سے تعویذات تھے، انہیں عملیات میں بہت مہارت تھی، اس کی بیاض میں نے دیکھی ہے، ان کے پاس ایک عمل تھا، جب کوئی بیمار ہوتا تھا جس کے علاج سے سارے اطباء عاجز ہو جاتے تو ان سے اصرار کیا جاتا، چنانچہ وہ عمل کرتے تھے، دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یا تو مریض اچھا ہو جاتا یا مر جاتا، اگر اچھا ہوتا تو کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہے، میں نے بھی یہ کئی مرتبہ دیکھا ہے۔

ان کا ایک عمل چور کے لیے تھا، جب اس کے بارے میں ان سے کہا جاتا تو انکار کرتے اور فرماتے سب تم کھاؤ گے، چور نہیں کھائے گا، مگر جب کبھی عمل شروع کرتے، تو چور کو دست آنے لگتے وہ اس کی تحقیق کراتے، جب پتہ معلوم ہو جاتا تو چور تک پیغام کہلواتے کہ وہ چیز واپس کر دو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، البتہ چور کا نام نہیں بتاتے تھے۔

انہوں نے مجھ سے اصرار سے فرمایا کہ یہ تعویذات وعملیات میری عمر بھر کی کمائی ہیں، تم مجھ کو ایک مرتبہ سنا دو تو میں اجازت دے دوں، میں طالب علم تھا مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بعد میں اپنے حضرت کے حکم واجازت سے تعویذات لکھنا شروع کیا۔

ساتویں مجلس

(۷؍رمضان المبارک)

حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت اور ذکر میں انہماک: ارشاد فرمایا: شوال ۳۳ھ میں میرے حضرت سہارنپوری (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ) اپنے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کا قصد فرمارہے تھے، لوگ کثرت سے بیعت ہورہے تھے، مجھے بھی بچوں کی طرح دیکھا دیکھی اس کا جذبہ پیدا ہوا، حضرت سے جاکر عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہوجاؤں، اس وقت آجانا، مولانا عبداللہ گنگوہی جو خلافت سے بھی سرفراز ہوچکے تھے، انہوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کررکھی تھی، حضرت نے فراغت کے بعد ہم دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ ہم دونوں کو پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانے شروع کئے، مولانا عبداللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مارمارکر رونا شروع کیا جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھرّا گئی، اس وقت والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ) اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب

رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ اوپر بیٹھے ہوئے تھے، والد صاحب یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لیے آئے، دیکھا تو میں بیعت ہورہا تھا، اس پر انہیں بہت تعجب ہوا، اور احساس ہوا کہ بلاعلم و اطلاع کے اتنا بڑا کام کرلیا، لیکن حضرت رائے پوریؒ نے تصویب فرمائی، اور بہت دعائیں دیں۔

جب ''بذل المجہود'' کی طباعت کا معاملہ آیا، تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں شروع کیا گیا، اس کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیرعلی صاحب کے پریس میں اس کو منتقل کردیا گیا، اس زمانے میں میرا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتا اور سنیچر کی صبح کو واپس آتا، یہ سفر ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا، اس میں جب کبھی اتوار کو پریس کی چھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا، میں نے بیعت کے بعد ذکر و شغل نہیں کیا، میرے چچا جان میرے مربی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کچھ تھوڑا بہت ذکر و شغل کرلیا کرو، میں نے کہا۔

''ہر کسے را بہر کارے ساختن''

میں مشکوٰۃ شریف پڑھاؤں اور اس کا مطالعہ کروں یا ذکر و شغل کروں، مگر تھانہ بھون کے اس سفر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی جو میرے استاذ بھی ہیں نحو میر وغیرہ میں نے ان سے پڑھی ہے، اس زمانے میں ان کو نئی نئی خلافت ملی تھی، بہت خواب و مکاشفے وغیرہ سنایا کرتے تھے، ہم لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے، انہوں نے ایک دن ایک پرچہ پر میرے لیے اجازت نامہ لکھ دیا، میں نے انکار کیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، وہ فرماتے کہ ایسے ہی کہا جاتا ہے، میں اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اسی طرح اجازت مل جاتی ہے تو یہ بہت آسان چیز ہے، مگر مولانا ظفر احمد

صاحب کے اجازت نامے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کچھ ذکر وشغل کر لینا چاہئے، میں نے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ حضرت اگر اجازت ہوتو کچھ دن مدرسہ سے چھٹی لے کر میں ذکر وشغل کرلوں، حضرت نے جواب دیا کہ مدرسہ سے چھٹی لینے کی ضرورت نہیں، تعلیمی مشاغل کے ساتھ کچھ کرلیا کرو، چنانچہ میں نے شروع کر دیا، اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ذکر وتعلیم دونوں کو ایک ساتھ نباہا جا سکتا ہے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ نے جب اجازت دی تو فرمایا کہ ''ہمیں تو جو کچھ کرنا تھا کر چکے، آگے تمہارا کام ہے''، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں ''پھر تو میں مرمٹا''۔

سالک اسے کہتے ہیں جو چلتا رہے، آخر زندگی تک آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہرچہ بروے می رسی بروے یست

ارشاد فرمایا: میں ذکر وشغل کا نہیں تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ سب بڑے چل دیں گے اور تم لوگوں کے لیے میں ہی رہ جاؤں گا۔

بڑے درد و رِقت سے فرمایا: اگر مجھ سے کچھ تکلیف ہو جائے اور تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے تو میں تیار۔

اوقات کی قدر و قیمت: فرمایا: اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہئے، حدیث میں آیا ہے:

فلیتزود العبدُ من نفسه لنفسه ومن حیاته لموته ومن شبابه لکبرہٖ ومن دنیاه لآخرته الخ.

بندے کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لیے اور زندگی میں موت سے پہلے اور نوجوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِراہ تیار کرلے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

آٹھویں مجلس

(۸/رمضان المبارک)

حضرت مدنیؒ وحضرت رائے پوریؒ کے اخلاق ۱۱/منٹ میں ۱۲/آدمیوں کا کھانا پکانا: آج کھانا کھانے کے دوران میں ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آ گیا تھا، اس لیے کھانا کم ہو گیا تھا، خدام بھی باقی رہ گئے، اس کی حضرت کو بہت فکر ہوئی اور کھانے کا نظم کیا گیا۔

ارشاد فرمایا: حضرت اقدس مدنیؒ وحضرت اقدس رائے پوریؒ کو حق تعالیٰ شانہٗ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اکابرین میں نے حضرت شیخ الہندؒ کا زمانہ بہت کم پایا، ۱۳۳۴ھ تک تو گویا ہم قید میں رہے، حضرت شیخ الہندؒ ۳۳ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے، وہاں سے سات سال کے لیے مالٹا جیل میں اسیر بنا کر بھیج دیئے گئے اور مالٹا سے واپسی کے بعد ڈیڑھ سال بیمار رہے، اس کے بعد انتقال ہو گیا۔

حضرت اقدس مدنیؒ کا معمول تھا کہ جب کبھی لکھنؤ یا رڑکی کی طرف جانا ہوتا تو میرے مکان پر ضرور ہو کر تشریف لے جاتے خواہ دس منٹ کے لیے ہو، ایک مرتبہ ۱۱/بجے رات میں عین بارش میں تشریف لائے اور آ کر فرمایا کواڑ کھولو، میں نے کہا کون؟ جب دروازہ کھولا تو فرمایا، آج گاڑی دو گھنٹہ لیٹ تھی، میں نے سوچا کہ تمہارا

درشن کرتا جاؤں، میں نے (بر بنائے محبت) عرض کیا کہ ان مبارک ہونٹوں سے مجھے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، پھر میں نے چائے پلائی۔

ایک مرتبہ ڈیڑھ بجے دن میں تشریف لائے، ملاقات پر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا، جب میں نے اس کی کوشش کی تو اس کا موقع نہیں دیا، حضرت کے پیچھے مولانا مبارک صاحب تھے اور ان کے پیچھے اور کچھ حضرات تھے جن کی تعداد گیارہ تھی، مصافحہ ہوا، میں نے عرض کیا کھانا؟ حضرت نے فرمایا کہ ''اگر کھانا کھا لیا ہوتا تو ہم تمہارے یہاں کیوں آتے؟'' میں ننگے پاؤں جلدی سے اندر گیا، میری بچیاں اب بھی تقاضہ کرتی ہیں کہ مہمانوں کا سالن ہم پکا دیا کریں، میں ان سے کہتا ہوں کہ بیس پچیس آدمی ہوتے تو خیر ممکن تھا، مگر ان پانچ سو کا دیگ پکانا مشکل ہے، ان کا مسلسل اصرار ہے کہ مہمانوں کا کوئی کام ہمارے ذمہ کیا جائے۔

بہر حال جب میں اندر گیا تو گھر والوں نے بتایا کہ اس وقت روٹی و سالن کوئی چیز موجود نہیں، آٹا موجود تھا، میں نے کہا کہ اس کو گوندھو، میں جلدی سے سالن کے قسم کی کوئی چیز خرید کر لاتا ہوں، میں باہر آیا تو ہمارا صوفی گوشت والا آرہا تھا، اس نے کہا کہ قیمہ کا دو سیر گوشت ہے، میں اس کو لے کر اندر آیا، آٹا گوندھا جا چکا تھا اور پتیلی میں گھی و مسالا ڈالا جا چکا تھا، انہوں نے جلدی سے اس میں گوشت دھو کر ڈالا، یہ میری کرامت سمجھو یا حضرت مدنیؒ کی، میں اندر سے باہر آیا، اور ان لوگوں کا ہاتھ دھلایا، یہ حضرات ۱۲ رنفر تھے، ۱۱ منٹ میں دستر خوان پر گرم گرم روٹیاں و قیمہ آ گیا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں، میں نے دستر خوان پر ان حضرات کو بٹھا دیا، حضرت علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا'' کیا آپ کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی؟ یا آپ کو کشف ہو گیا تھا،

میں نے کہا آپ کے اس گھر میں آنے کے بعد گوشت خریدا گیا ہے، انہیں تعجب ہوا فرمایا کہ ''یہ بات عقل میں نہیں آتی'' میں نے کہا کہ ساری باتیں معقولات سے تعلق نہیں رکھتیں، روٹی کھاؤ، حضرت نے بھی فرمایا روٹی کھاؤ، پھر حضرت نے بھی فرمایا کہ میں مولانا محمد اشفاق صاحب (اعلیٰ حضرت رائے پوری کے بھانجے دارالعلوم کے ممبر شوریٰ) کی تعزیت کے لیے رائے پور جارہا ہوں تنہا آرہا تھا، جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو یہ بھی ساتھ ہو گئے۔

ایک مرتبہ عصر کے بعد میری مجلس میں ۸، ۱۰ آدمی آئے، میں نے کہا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہم رڑکی سے آرہے ہیں، وہاں جلسہ ہے، آپ کو لے جانا چاہتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ ناظم صاحب کو لے جاؤ، میں تقریر کا آدمی نہیں، اور نہ کبھی میرے باپ نے تقریر کی، مگر جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو میں نے ناراضگی کا اظہار کیا، وہ سب چلے گئے، اس میں کا ایک آدمی رہ گیا، اس نے کہا کہ ''ہم دیوبند سے آرہے ہیں، جلسے میں حضرت مدنیؒ تشریف لانے والے تھے، مگر حضرت کی طبیعت خراب ہے، ہم نے اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بشرطیکہ حضرت شیخ الحدیث چلیں تو میں آسکتا ہوں، اس لیے یہ سب لوگ حاضر ہوئے تھے''۔

اس طرح کے کئی واقعات حضرت مدنیؒ کے سنائے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''آپ بیتی'' [۴۲]۔

فرمایا: حضرت اقدس رائے پوریؒ کا اپنی اخیر بیماری میں جس کا سلسلہ پانچ چھ سال تک جاری رہا، پیام آیا کہ دیکھو جب تک میری صحت تھی میں ہر مہینہ آپ کی زیارت وملاقات کے لیے آیا کرتا تھا، حضرت کا معمول تھا کہ ہر مہینہ میں تین دن کے

لیے یہاں تشریف لاتے تھے، اب تمہاری زیارت تمہارے ہاتھ میں ہے، میں نے اس کو خوب نباہا۔

مولوی یوسف صاحبؒ اپنے ایک سفر حج میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم جاؤ، اگر آنا ہوا تو میں حضرت کے ساتھ آ جاؤں گا، حضرت کی طبیعت اس زمانے میں زیادہ خراب تھی، بہٹ ہاؤس میں قیام تھا، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ دو تین دن کے لیے نظام الدین جانا چاہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے میرا انتقال ہو جائے، جب میں نے یہ دیکھا تو اپنا سفر ملتوی کر دیا، حضرت کا قیام تین مہینے رہا، میں روزانہ سبق پڑھا کر بہٹ ہاؤس جاتا تھا۔

فرمایا: یہ دونوں حضرات بڑے تحمل و دلداری کے تھے۔

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ پنجاب سے تشریف لا رہے تھے اور سہارن پور میں ایک تبلیغی اجتماع تھا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اسلامیہ اسکول میں تقریر تھی، جلسہ سے فارغ ہو کر دو بجے رات کو ہم لوگ حضرت کو لینے اسٹیشن گئے، میں نے شاہ مسعود سے کہا کہ صبح کی نماز سے پہلے ہی اپنی موٹر یہاں لانا، تاکہ نماز کے بعد فوراً حضرت رائے پور تشریف لے جائیں کہیں حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے سن لیا، تو فرمایا کہ ''میں نے تو دو تین دن قیام کا قصد کیا تھا'' میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں، صبح کی نماز سے پہلے چائے پی کر رخصت ہو جایئے، بھائی الطاف کو بہت تاؤ آیا، حافظ عبدالعزیز صاحب نے بھی دبی زبان سے ناگواری کا اظہار کیا، بہر حال حضرت رائے پور تشریف لے گئے تو وہاں کے حضرات سے فرمایا کہ دیکھو محبت کی باتیں ہیں، مجھے گرمی کی شدت سے سہارنپور ٹھہرنے نہیں دیا''۔

نویں مجلس

(۹؍رمضان المبارک)

رمضان المبارک میں قلت طعام سے ضعف نہیں پیدا ہوتا: ارشاد فرمایا: کہ میرا تجربہ ہے کہ روزہ سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے، حضور اقدس ﷺ نے صوم وصال رکھا اور چند دن صحابۂ کرامؓ نے بھی آپ کے ساتھ رکھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو منع فرما دیا، اس کے ساتھ یہ پیش نظر رہے کہ بعض غزوات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اور حضور ﷺ کو بطن مبارک پر دو پتھر باندھنے پڑے، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے میرے نزدیک ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلا واقعہ رمضان کا ہے اور دوسرا غیر رمضان کا۔

امام بخاریؒ نے تین دن تک ایک ایک بادام پر گزر کیا، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بارے میں سنا ہے کہ رمضان المبارک میں بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ نے لجاجت سے عرض کیا کہ ''حضرت ضعف

بہت بڑھ جائے گا، حضرت تو کچھ تناول نہیں فرماتے'' حضرت نے فرمایا ''الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے''۔

فرمایا: میرا اتالیق ابوالحسن مسلط ہے، کھانے پر اصرار کرتا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ تقلیل طعام حکیم کے مشورے کے بغیر کوئی نہ کرے۔

محبت کی تنقید بری نہیں معلوم ہوتی: ارشاد فرمایا: مجھے اپنے اوپر تنقید بری نہیں لگتی، بشرطیکہ اخلاص و محبت سے ہو، میرے دوستوں میں قاری سعید صاحب (مفتی اعظم مظاہر علوم) میرے مخلص تھے، ان سے زمانۂ طالب علمی میں میری لڑائی رہی ہے، مجھ سے ابتداء میں ان کے تعلقات کچھ اچھے نہیں تھے، اس لیے کہ وہ بھی صاحبزادے تھے، اور قاری محمد حسین استاذ الکل کے خاص شاگرد تھے، قاری صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے، اور ایسے تھے کہ وہ حضرت مدنیؒ کو بھی ٹوک دیا کرتے تھے فرماتے تھے کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی آپ کو خضاب کی ضرورت ہے؟ میرے یہاں صاحبزادوں کی پٹائی خاص طور سے ہوتی تھی، قاری سعید مرحوم ۵۵ھ میں مدرسہ کے نائب مفتی مقرر کیے گئے، اس سے پہلے مدرس تھے اور قاری محمد حسین صاحب نے میرے حضرت اقدس کے انتقال کے بعد یہاں آنا بند کر دیا (وہ رمضان المبارک میں عصر کے بعد کا قرآن سنتے تھے) ایک دن راستے میں قاری سعید صاحب سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے کہا کہ رمضان میں میرے چند پارے سن لیا کرو، انہوں نے جواب دیا کہ بشرطیکہ ناظم صاحب اجازت دیں، مجھے یہ جواب بہت پسند آیا، چنانچہ ناظم صاحب کی اجازت کے بعد عصر کے بعد وہ میرا قرآن سنتے تھے۔

چند مہینے کے بعد اجراڑہ میں مدرسہ کا جلسہ تھا، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحب) اور میں دونوں اس مدرسہ کے سرپرست تھے، میں نے جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا، ناظم صاحب کو بھی بروقت کوئی عذر پیش آ گیا، بالآخر ہم دونوں نے طے کیا کہ اپنی طرف سے قاری سعید صاحب کو نمائندہ بنا کر بھیجیں گے، اور یہ وہاں کے معاملات کو طے کریں گے، اگر کوئی اہم مسئلہ ہوگا تو ہم دونوں سے مشورہ کر لیں گے، ہم نے یہ طے کر دیا مگر قاری سعید صاحب عذر کرتے رہے کہ میں وہیں کا رہنے والا ہوں، کسی اور کو بھیجنا مناسب ہوگا، مگر ہم لوگوں نے انہیں کو بھیجا، اس زمانے میں میں اپنے آپ کو مدرسہ کے ہر کام کا گویا واحد ذمہ دار سمجھتا تھا، البتہ اپنا اختیار کبھی نہیں سمجھا، جب کتب خانہ جاتا ہر ایک کام کو دیکھتا، اگر کوئی بات معلوم ہوتی تو ناظم صاحب کے ذریعے حکم نامہ جاری کراتا، ناظم صاحب اس کو تحریر لکھ کر دیتے اور اس سے فرماتے کہ شیخ خفا ہو رہے تھے، تم جی نہ برا کرنا، میں جب کتب خانہ گیا تو وہاں رجسٹر حاضری میں قاری سعید صاحب کی تین دن کی رخصت لکھی ہوئی تھی، میں اوپر سے نیچے آیا، اور قاری سعید صاحب سے مطالبہ کیا کہ تم نے رخصت کیوں لکھوائی؟ تم کو تو ہم لوگوں نے بکار مدرسہ بھیجا تھا، انہوں نے کہا کہ میرا وہاں وطن تھا، اس پر میں نے ان سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی خاص ربط نہیں تھا، مگر اب میری تم سے دوستی ہوگئی، دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھایا کرو، تیس سال سے زائد مدت تک وہ میرے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے، انہوں نے اپنے مرض الوفات میں مجھے ایک پرچہ لکھا کہ ”تیس سال سے میں عید آپ کے ساتھ کرتا تھا، آج پہلی عید ہے کہ میں حاضر نہ ہو سکا“، میں اسی وقت اٹھ کر ان کے پاس گیا۔

حاصل یہ کہ مجھے ٹوک دیا کرو، منور صاحب ٹوک دیں تو مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اسٹرائک سے نفرت: ارشاد فرمایا: طلباء عظام سے براہ راست معافی مانگتا ہوں، میرے دل میں تمیں، چالیس سال پہلے انکی بڑی وقعت تھی، میرے دستر خوان پر اگر کوئی طالب علم ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی، شروع میں جو بھی نیا طالب علم میرے یہاں آتا، اس کا کھانا داخلہ امتحان اور مدرسہ سے کھانا جاری ہونے تک میں اپنے حساب میں مدرسہ سے جاری کرا دیتا تھا اور بعض طالب علموں سے کہہ بھی دیتا کہ تم میرے ساتھ کھانا کھایا کرو، اسٹرائک نے بند کرا دیا، اس اسٹرائک سے دل میں نفرت ہے۔

ضب (گوہ) کے متعلق حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا، یا رسول اللہؐ کیا وہ حرام ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، لیکن ہمارے یہاں یہ جانور نہیں ہوتا، مجھے اس کے کھانے سے کراہیت ہوتی ہے (بخاری شریف) اگرچہ حنفیہ کے نزدیک بعد میں اس کی ممانعت بھی ہوگئی، لیکن جس وقت حرام نہیں تھا، اس وقت بھی حضورؐ نے طبعی کراہت کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا محبت و نفرت بے اختیاری چیز ہے، اس ناکارہ کو اسٹرائکوں سے نفرت ہے اکابر میں سب سے پہلے ۴۵ھ میں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ کے دور میں آئی ان دونوں کو اس سے انتہائی نفرت تھی۔

دیوبند کی ایک اسٹرائک کے موقع پر میرا دیوبند جانا ہوا، مدرسہ کے قریب ایک صاحبزادے جن کے والد کا تعلق مجھ سے اور حضرت رائے پوری سے تھا، وہ اسٹرائک میں شریک تھے بلکہ اسٹرائیکی سورما تھے، مجھے اس کی بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ سورما بھی اس میں پیش پیش ہیں، میں جب باب الظاہر سے گزرا تو یہ بھی میرے ساتھ

حضرت مدنیؒ کے یہاں حاضر ہوئے، حضرت کا چہرہ ان کو دیکھ کر سرخ ہو گیا اور مجھ پر شدید عتاب فرمایا کہ یہ چناں وچنیں مدرسہ میں اسٹرائک کراتا پھرتا ہے، اور آپ اس کو بغل میں لئے پھرتے ہیں، آپ نے اور مولانا عبدالقادر صاحب نے ان کا دماغ خراب کر رکھا ہے'' میں نے عرض کیا، حضرت مجھے مطلق اس کی خبر نہیں تھی، اور اس سے اشارہ کیا کہ بھاگ جا، بعد میں حضرت نے اس کی تلافی میں میری بہت دل داری کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر حضرت کے ارشاد کا بالکل اثر نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی، میں نے عرض کیا اب تو ہو گئی، سنا ہے کہ حضرت نے ان اسٹرائکیوں کے لیے سخت بددعائیں کیں، جن کو سن کر میں لرز گیا۔

فرمایا: حضرت شیخ المشائخ استاذ الکل شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے عربی میں ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ''**فیما یجب حفظهٗ للناظر**'' تحریر فرمایا ہے، یعنی حدیث کی کتابوں کو دیکھنے والے کے لیے اس کا مطالعہ واجب ہے، یہ رسالہ ''لامع'' کے مقدمہ میں بھی طبع ہو چکا ہے، اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جملہ کتب حدیث کو پانچ قسموں پر منقسم فرمایا ہے۔

پہلا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو بے تکلف صحیح کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو صحیح تو نہیں کہا جاتا مگر قابل عمل کہا جاتا ہے

تیسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن میں ہر قسم کی احادیث صحیح وغیر صحیح پائی جاتی ہیں۔

چوتھا درجہ ان کتابوں کا ہے کہ ان کی احادیث کو بے تکلف ضعیف کہا جا سکتا ہے اور پانچواں موضوع احادیث کا''۔

اس ناکارہ کا خیال یا تعامل ان مہمانانِ رسولؐ کے متعلق تقریباً یہی رہا اور

ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم میرے پاس آتا میں کتب حدیث کے پہلے طبقے میں شمار کرتا، اور اب یہ حال ہے کہ جب کبھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم آتا ہے تو پہلے وہلہ میں اس کو درجہ چہارم سمجھتا ہوں اور اگر ظاہر حال سے صلاح وفلاح محسوس ہوتو درجہ سوم سے اوپر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حضرت اقدس کا رسالہ ''اسٹرائک''۔

ارشاد فرمایا: طالب علمو! تم تو بہت اونچے تھے مگر تم نے اپنے آپ کو خود ضائع کیا، کبھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے، اب ہماری صورتوں کو دیکھ کر نفرت کرنے لگے ہیں، جو بوئے گا وہی کاٹے گا، کانٹا بوئے گا تو کانٹا پیدا ہوگا، پھول بوئے گا تو پھول پیدا ہوگا، میں اپنے حضرت کو اسٹیشن لینے کبھی نہیں گیا، بہانہ حرج کا ہوتا تھا، مگر حضرت مدنیؒ نے اس کی تلافی کرادی، تقسیم سے پہلے میری جیب میں پیسے نہیں ہوتے تھے البتہ تقسیم کے زمانے میں تو بڑی بڑی رقمیں لوگ میرے پاس امانت رکھتے تھے جو اکثر میری جیب میں پڑی رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کسی سفر سے آرہے تھے، میں پیدل اسٹیشن گیا، خیال تھا کہ مولانا منظور احمد صاحب ضرور موجود ہوں گے، پلیٹ فارم ٹکٹ مل جائے گا، مگر جب میں وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ سب اندر داخل ہو چکے ہیں، میں نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ اگر دے سکو تو ادھار پلیٹ فارم کا ٹکٹ دے دو، اس نے دے دیا، میں اندر گیا، مولانا منظور احمد صاحب سے پیسے لے کر ادا کئے، مولانا نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا ''کہیں ادھار ٹکٹ بھی دیا جاتا ہے؟'' اس نے کہا کہ ''ہر ایک کو نہیں''۔

جو اللہ کے سامنے جھک جائے اس کے سامنے ساری مخلوقات جھک جاتی ہے: فرمایا: میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی، صحابۂ کرامؓ کے قصے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے، حضرت عقبہؓ امیر لشکر چند صحابہؓ کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہونچے اور اعلان کیا:

أيها الحشراتُ والسباعُ نحن أصحاب رسول الله ﷺ فارحلوا فإنا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه.

اے زمین کے اندر رہنے والے جانوروں اور درندو ہم صحابہؓ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کررہی ہے، اس لیے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کردیں گے۔

یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی، جو ان درندوں اور موذی جانوروں میں دوڑ گئی، اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعہ)

بوستاں میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے، ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا، تو اس بزرگ نے کہا ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　که گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

دسویں مجلس

(۱۰/رمضان المبارک)

تنقید اگر اخلاص پر مبنی ہو تو محمود ہے: ارشاد فرمایا: میرا مکان جو کبھی صورتاً میرا تھا، اب صورتاً بھی میرا نہیں رہا، ابتداء میں والد صاحب نے پانچ روپئے ماہانہ کرایہ سے لیا تھا، اس مکان کو کوئی لینے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا کیوں کہ اس کے بارے میں شہرت تھی، جو اس میں رہتا ہے مر جاتا ہے، چنانچہ پہلے سال میرے ایک بڑے بھائی کا انتقال ہوا، اور دوسرے سال میرے والد صاحب کا اور تیسرے سال میری والدہ صاحبہ کا، مولوی ممتاز گیاوی ابتداء میں وہ مظاہر علوم میں فارسی پڑھنے آئے تھے، میں ان سے بالکل ناواقف تھا، اور انتہا میں وہ میرے محبوب دوست ہو گئے، دستور کے مطابق وہ میرے مہمان ہوئے اور میرے مکان میں مقیم ہوئے، ہفتہ عشرہ کے بعد مدرسہ سے اس نے اپنا کھانا قیمتاً جاری کرایا، اس نے اخیر میں مجھ سے ابوداؤد پڑھی ہے، اس کے اتنے طویل عرصہ قیام میں کسی استاذ سے بھی اس کے تعلقات نہیں ہوئے، یہ تکبر کی بناء پر نہیں بلکہ مزاج ہی ایسا تھا، مظاہر علوم سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تھانہ بھون گیا اور شوال میں وہاں اس کو خلافت مل گئی، ممتاز گیاوی کا

کھانا مدرسہ کے مطبخ سے آتا تھا اور میرے گھر والے اس زمانے میں یہاں نہیں تھے، اس لیے میرا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا تھا، ممتاز اخیر تک میرے شریک دستر خوان رہے، ایک عرصہ کے بعد انہوں نے جملہ شرکاء کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ ”آپ کا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا ہے، اور میرا بھی، لیکن آپ کے پیالہ میں تار زیادہ ہے، میرے میں کم، محض اس وجہ سے کہ آپ کی آواز اہل مطبخ پر اثر انداز ہوگی اور میری نہیں“، میں نے دیکھا تو واقعی دونوں برتنوں میں فرق تھا، میں نے عزیز موصوف کا بہت شکریہ ادا کیا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے، میں نے اسی دن سے مطبخ سے اپنا کھانا بند کرادیا، آج تک جاری نہیں کرایا، اگر کسی کی تنقید قابل قبول ہو تو ضرور قبول کرنا چاہئے۔

علماء وصوفیاء نے لکھا ہے ”**آخر ما یخرج من قلب السالک حب الجاہ**“ حب جاہ بہت مشکل سے نکلتی ہے، ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ وسیہ کار لکھتے ہیں مگر یہ رسم بن گئی ہے، اگر کسی مجمع میں کوئی اعتراض کردے تو سن کر دماغ کھولنے لگتا ہے، حالاں کہ اگر ماننے کی بات ہے تو اس پر ناگواری کیسی، اس کو ضرور ماننا چاہئے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إنما بعثتُ لأتمم مكارِمَ الأخلاقِ .	میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

خصوصیت سے جو لوگ ذاکر و اجازت یافتہ ہیں ان کے اخلاق ایسے ہوں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں نہ کہ اکھڑنے کا اور متنفر ہونے کا۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے استفسار پر حضرت گنگوہیؒ نے

جواب تحریر فرمایا تھا ''مادح وذام کو برابر سمجھتا ہوں'' مجھے یہ جملہ بہت پیارا لگتا ہے، اگر کوئی ہماری مدح کرے تو اس پر پھولنا نہ چاہئے بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہئے کہ مالک نے ستاری فرما رکھی ہے، مگر اب ہمارا یہ حال ہے ؎

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

فرمایا: میں تم دوستوں سے اس حدیث ''**رب مبلّغ أوعیٰ من سامع**'' کے پیش نظر درخواست کر رہا ہوں، تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ مسلمانوں کے اخلاق سے پھیلا، اکابر کے حالات کا مطالعہ کرو، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک کفرستان میں آ کر بیٹھ گئے، اور ایک دنیا کو مسلمان بنا گئے ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　　اِلا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے، فرمایا ''ہاں'' پھر عرض کیا گیا، کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے، فرمایا ''نہیں''۔

ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریباں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے، ہم لوگوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جب تک گفتگو میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، ہمیں لطف نہیں آتا۔

گیارہویں مجلس

(۱۱؍رمضان المبارک)

سکوت کی مجلس: آج حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت ناساز تھی، سر میں شدید گرانی تھی، صرف زمزم سے افطار فرمایا، خدام کا اصرار تھا کہ آج مجلس نہ ہو مگر مجلس ہوئی، مولانا جمیل احمد حیدرآبادی نے عرض کیا، ’’جی چاہتا ہے کہ کسی دن خاموشی کی مجلس ہو‘‘ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ کہیں چھپا ہوا نظر سے گزرا ’’جو میری مجلس میں چپ بیٹھ کر کوئی فائدہ نہ حاصل کرے وہ میری مجلس میں نہ آئے‘‘۔

اللہ کے احسانات کا شکر: فرمایا: میرے حضرت سہارنپوریؒ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها‘‘ اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو، تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے، یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا، کیوں کہ ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

بارہویں مجلس

(۱۲/رمضان المبارک)

آج کی مجلس میں ترکی کی جماعت دوبارہ آ گئی تھی اور بیرونی ممالک کے بھی کچھ حضرات تھے، اس لئے ایک صاحب ترکی میں اور ایک دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمہ کر رہے تھے، فرمایا ''زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم'' تبلیغ والوں کی بدولت ترکی زبان کی بھی ضرورت پڑ گئی۔

دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ اللہ سے کرو:

ارشاد فرمایا: میں ایک اہم وضروری بات کہنا چاہتا ہوں جو اپنے دوستوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بڑوں سے ایک اصول سنا ہے، جو چچا جان کے ملفوظات میں بھی موجود ہے، اور مولوی یوسف صاحب کی تقریروں میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، درحقیقت یہ حدیث پاک سے مستنبط ہے، ''آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مجھے شریعت، عرف وعقل وقرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہئے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء　　　اگر مردی احسن الیٰ من اساء

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**ولمن صبر وغفر إنّ ذٰلک لمن عزم الأمور**،، اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا، بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، حدیث میں آیا ہے، رشتہ جوڑو جو تم سے رشتہ کاٹے اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو اور جو برائی کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو“، ایک حدیث میں ہے **لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی إذا قطعت رحمہ وصلھا** (مشکوٰۃ) رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ کے طور پر رشتہ جوڑتا ہے بلکہ وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو اس کو جوڑے۔

ہمارے بزرگوں نے قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے جو بات دو فقروں میں فرمادی ہے، اس پر عمل کرنے سے دنیا وآخرت دونوں جگہوں میں چین حاصل ہوگا، اگر کوئی شخص تم کو گالیاں دے رہا ہے، تمہاری غیبتیں کر رہا ہے، وہ تمہیں اپنی نیکیاں دے رہا ہے، اگر اس کے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں تو تمہارے گناہ اپنے سر لے رہا ہے۔

حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جو ”شخص کسی کو گالیاں دے اور مارے اس کا قصاص ضرور لیا جائے گا حتی کہ بے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا، بھائی ہوتا تو مجھ سے بھی نہیں، مگر اصول بڑا اچھا ہے، تمہارے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں، ان کو ادا کرنے کی کوشش کرو جہاں سے تمہیں بہت زیادہ ملے گا، تمہارے ذمہ اگر کسی کا ایک دانق ہوگا تو اس کے عوض میں سات سو مقبول فرض نمازیں آخرت میں کاٹ لی جائیں گی، (شامی) ہمارے پاس کہاں مقبول نمازیں ہیں، آج کل کثرت سے خطوط آتے ہیں، مہتمم حضرات مدرسین کی اور مدرسین ان کی شکایت کرتے رہتے ہیں، اگر یہ اصول سامنے ہو تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ارشاد فرمایا: کسی مہتمم کو نہ چاہئے کہ کسی کو بلا تنخواہ ملازم رکھے اور مدرسین سے کہا کرتا ہوں کہ تمہیں صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کام کرنا چاہئے تمہیں جو تنخواہیں ملتی ہیں، وہ تمہاری قیمت سے بہت کم ہیں، مگر تمہیں جو کچھ مل رہا ہے اللہ کا احسان سمجھو۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کے لئے کافی ہیں: ارشاد فرمایا: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف پانچ کا انتخاب فرمایا ہے، اس کے بعد امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کا انتخاب اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے کافی ہیں، چار تو وہی ہیں جن کو امام اعظمؒ نے منتخب کیا ہے، اور ایک کو نہیں لیا، کیوں کہ اس کا مضمون ان میں آ گیا ہے، امام صاحبؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور امام ابوداؤد کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی، گویا امام صاحبؒ سے ۵۲ سال بعد میں پیدا ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوداؤد نے امام صاحبؒ سے اس قول کو لیا ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ان چار حدیثوں میں سارا دین آ گیا ہے، اگرچہ بعض علماء نے ''النصح لکل مسلم'' والی حدیث کو سب کا جامع بتایا ہے، وہ چار حدیثیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) **إنما الأعمال بالنيات الخ** (تمام اعمال کی مقبولیت کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے) اس کے سلسلے میں ''رئیس الاحرار'' کا قصہ تفصیل سے سنایا، جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے، اس کے ضمن میں ارشاد فرمایا، میں نے بزرگوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، پہلا دور حضرت گنگوہیؒ کا، دوسرا دور حضرت کے خلفاء اجل حضرت سہارن پوریؒ

وحضرت شیخ الہندؒ اور اعلیٰ حضرت رائے پوریؒ کا، اور تیسرا دور حضرت مدنیؒ وحضرت رائے پوریؒ اور چچا جان کا، اور چوتھا دور مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، اور پانچواں اب مولوی انعام الحسن صاحب کا دور دیکھ رہا ہوں، بزرگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضائع نہیں جاتا، میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ معاصرت کی وجہ سے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا، وہ ضائع ہو گئے، مولوی یوسفؒ کے دور میں بعض لوگ کہا کرتے تھے ''جو بات ان کے والد میں تھی وہ ان میں نہیں، میں کہا کرتا تھا جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں، یہی بات میں مولوی اسعد میاں اور مولانا قاری طیب صاحب اور مولوی انعام کے بارے میں کہا کرتا ہوں جو بات اکابر میں تھی وہ اصاغر میں کہاں؟ جب یہ چلے جائیں تو کف افسوس ملنا پڑے گا، بعد میں یہ بھی نہیں ملیں گے۔

فرمایا: جو کرو، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو، اگر کوئی نماز دکھانے کے لیے پڑھے گا کہ لوگ بزرگ سمجھیں، تو یہی نماز منھ پر ماردی جائے گی۔

بزمیں چوں سجدہ کردم ززمیں ندابر آمد
تو مرا خراب کردی بسجدۂ ریائی

اگر یہی سجدہ اللہ کی رضا کے لیے ہو تو بہترین عبادت ہے، صاحب ''مظاہر حق'' نے ''إنما الأعمال الخ'' کی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''اگر کوئی مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھے، اسی کے ساتھ اعتکاف کی نیت کرلے، اہل اللہ کی زیارت کی نیت کرلے وغیرہ وغیرہ، تو اس کے ثواب میں نیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

(۲) ”لا یکون المؤمن مؤمنا حتیٰ یرضیٰ لأخیه ما یرضیٰ لنفسه“ (مومن حقیقی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے، جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے) اگر اس حدیث پر آدمی عامل بن جائے تو سارے باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں، خود تو چاہے سوا سیر اور دوسرے کے لیے سیر، تو پھر جھگڑے کیسے ختم ہوں، اس حدیث میں حقوق العباد آ گئے، چونکہ ”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہٖ“ (جس کی زبان وہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) اس حدیث کا مضمون اوپر والی حدیث میں آ گیا ہے، اس کو امام اعظمؒ نے مستقل شمار کیا ہے، امام ابوداؤدؒ نے ترک کردیا۔

(۳) ”من حسن إسلام المرء ترکه مالا یعنیه“ (انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے)۔

لایعنی میں مشغول ہونے سے نہ دین کا نفع ہے نہ دنیا کا، ایک صاحب کا میرے پاس خط آیا، انہوں نے اپنے بعض معاصرین کے بارے میں بے جا استفسار کیا تھا، میں نے ان کو جواب دیا کہ ان سوالات کا قبر میں جواب دینا ہے؟ منکر ونکیر سوال کریں گے؟ اس دھندے میں خواہ مخواہ کیوں پھنس گئے ہو؟ تمہیں جس سے عقیدت ہو بیعت ہو جاؤ۔

اپنے بچپن میں ایک انگریز کا قصہ سنا تھا، جس کو علامہ شبلی نے کہیں اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ وہ جہاز پر سوار تھے، جہاز ڈوبنے لگا، وہ انگریز کتاب کے مطالعہ میں مشغول رہا، لوگ شور کر رہے تھے، میں ہوتا تو اس وقت کلمہ وغیرہ کی تلقین کرتا، دیکھو بھائی! یہاں تفریح کی جگہ نہیں ہے بلکہ جس نیت سے آئے ہو مشغول رہ کر وصول کرو۔

فرمایا: اخبار و ریڈیو پڑھ لو اور سن لو، مگر یاد رکھو قبر میں منکر ونکیر سوال کریں گے، "**ما دینک** "؟ تمہارا دین کیا تھا؟

صوفیاء کے یہاں "پاس انفاس" کی مشق اسی لیے کرائی جاتی ہے کہ اگر آدمی کچھ نہ کر سکے تو کم از کم ہر سانس میں اللہ کا ذکر تو کر لے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے　　　یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

(۴)　"**الحلال بین والحرام بین الخ**" (حلال وحرام واضح ہیں مگران کے درمیان بعض مشتبہ ومشکوک چیزیں ہیں، جو ان سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لے گا) اس کا نام تقویٰ ہے جس چیز میں کھٹک ہو، بعض علماء جائز کہتے ہوں اور بعض ناجائز، ان کو چھوڑ دینا چاہئے، کیوں جھگڑے میں پڑے ایک اور حدیث میں آیا ہے "**دَعْ ما یریبک الیٰ مالا یریبک**" جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو، اور اس کو اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو، "**الحلال بین و الحرام بین**" والی روایت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے "**ولکل مَلِک حمی**" ہر بادشاہ کے لیے بیڑ (مخصوص چراگاہ) ہوتی ہے، وہ جگہ ممنوع ہوتی ہے حدیث کا مضمون بعد میں بیان کروں گا، اس سے پہلے ایک قصہ سن لو۔

تیرہویں مجلس

(۱۳؍رمضان المبارک)

میری عمر بارہ برس کی ہوگی، ہمارے حضرت قطب گنگوہیؒ کے نواسے چچا زکریا کا پنجاب میں نکاح تھا، چچا یعقوب نے اصرار سے مجھ کو بھی ساتھ لیا، چنانچہ سرہند کے قریب ''کھنہ'' بارات گئی، یہ میرا سرہند کا پہلا سفر تھا، گھوڑے وغیرہ پر سوار کر کے ہم لوگوں کو روانہ کیا گیا، اور حضرات پیدال تھے، چچا یعقوب تھانہ دار تھے، اتفاقاً ایک جگہ کچھ سپاہی ملے، آپس میں چچا یعقوب کی ان سے بٹ بٹ (یعنی انگریزی) گفتگو ہوئی، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہاں کیا مصیبت آ گئی، میں نے دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہاں سے تھانہ کے حدود شروع ہوتے ہیں، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ تھانہ دار، کہا کہ چلے جاؤ، اگر معقول جواب نہ دیتا تو گرفتار ہو جاتے۔

اسی طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ اللہ کی بیٹر حرام کردہ چیزیں ہیں ایسی چیزوں سے دور رہنا چاہئے، اسی کو بزرگی کہیں، اسی کو تقویٰ کہیں، اور اسی کا نام تصوف ہے، ہر موقع پر احتیاط پیش نظر رہے۔

یہ سارے مجاہدے اور ریاضتیں اسی لیے ہیں کہ تقویٰ پر عمل آسان ہو جائے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ان چار حدیثوں کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے مشہورات وقواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیات دین کو معلوم کرنے کے لیے کسی مجتہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی،'' چونکہ حدیث اول عبادات کی درستگی کے لیے کافی ہے اور حدیث ثانی سے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں ومتعارفین اور اہل معاملہ کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور تیسری حدیث سے عمر عزیز کے اوقات کی محافظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چوتھی حدیث میں ایسے مسائل ہیں جن میں علماء کو شک وتردد ہے، ایک واضح راستہ پیش کرتی ہے، غرض کہ یہ چاروں حدیثیں ایک عاقل آدمی کے لیے استاذ وشیخ کا درجہ رکھتی ہیں۔ (بستان ص ۱۱۹)

حضرت اقدس مدفیوضہم نے حضرت شاہ نوراللہ مرقدہ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ **''الدر الثمین''** میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے دل میں حضور اقدس ﷺ کے لیے ایصال ثواب کا خیال آیا (ہم لوگ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے) حضرت شاہ صاحبؒ نے دو پیسے کے چنے خیرات کئے اور ایصال ثواب کیا، رات میں خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے دست مبارک میں ان چنوں کو لے کر حرکت دے رہے ہیں غور کرو کہ دو پیسے کے چنے کی کیا حیثیت، مگر وہ آپ ﷺ کے یہاں اخلاص کی وجہ سے مقبول ہو گئے، تم علماء کرام ہو حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے ان میں ایک ریاکار عالم ہوگا، غور کرو اگر ہم سے یہ مطالبہ ہو

کہ ہم نے تم کو سہولتیں دیں، مدرسہ کی کتابیں دیں، تو کیا جواب ہوگا؟ اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ ہم نے دین کے سارے مواقع پر علم دین کو خرچ کیا، لیکن خدا نخواستہ اس کے جواب میں اگر یہ کہا گیا کہ تم نے اس لیے خرچ کیا کہ تم کو بڑا عالم، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث وغیرہ کہا جائے تو وہ کہا جا چکا، پھر سوچو کہ پھر کیا حشر ہوگا، اسی طرح مالدار سخی اور شجاع کا حال بیان کیا گیا ہے، سخاوت اور جہاد کے باوجود اخلاص نہ ہونے سے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

غور کرو، اخلاص سے دو پیسے خرچ کرنے کی یہ قدر کہ حضورؐ کے یہاں مقبول اور یہاں سب کچھ خرچ کرنے کے باوجود کوئی قیمت نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے نہایت درد سے فرمایا، میرے پیارو! تم دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو، مدرسہ کا حق ادا کرتے رہو، اگر مہتمم تم پر زیادتی کرتا ہے، تمہاری تنخواہیں کاٹتا ہے تو یہ سب تمہارے آخرت کے بنک میں جمع ہوتا رہے گا، ''إن اللہ لا یظلمُ مثقالَ ذرۃٍ'' کا قانون ہے، تمہارا مہتمم یا طالب علم یا کسی سے کوئی معاملہ ہو، ان سب کے ساتھ تمہاری یہی کوشش ہونی چاہئے کہ کسی کا کوئی حق تم پر باقی نہ رہے۔

تیسری حدیث میں حضرت شاہؒ فرماتے ہیں کہ تحفظ اوقات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، جتنا مولوی اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے اور کوئی نہیں، اب تو مدرسہ سے پڑھانے کا تعلق میرا ختم ہو گیا، جس زمانے میں میں پڑھاتا تھا یہ ڈھم ڈم والے (یعنی باجے والے) سڑک سے گزرتے تھے، میں شام کو گزرتے ہوئے دوکانداروں سے تحقیقات کرتا کہ یہ کیا تھا، وہ کہتے کہ ''ہمیں تحقیقات کرنے کی فرصت نہیں تھی''، مگر طلبہ

کا فرقہ جہاں کہیں اس کو سنتا ہے، جمع ہو جاتا ہے کیوں کہ انہیں اوقات کی قدر نہیں، بھائی ہمارے اوقات بڑے قیمتی ہیں، بھائی دس منٹ میں جتنا ہم قرآن وحدیث سیکھ سکتے ہیں، اس کے برابر کسی چیز کی قیمت نہیں، مگر افسوس کہ ہمیں قدر نہیں۔

اضافہ از مرتب ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

چوتھی حدیث میں تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

چودھویں مجلس

(۱۴؍رمضان المبارک)

اللہ ورسولؐ کے ارشادات میں دین ودنیا کی بھلائی ہے:

فرمایا: میرے پیارو! ہم لوگ ہر وقت یہ دیکھتے ہیں کہ امریکہ وروس کیا کہتے ہیں؟ اور ناصر کیا کہتا ہے؟ حالاں کہ ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اللہ و رسولؐ کیا فرماتے ہیں، میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں یہ پڑھا تھا کہ غسل جنابت تعبدی ہے، یعنی عقل میں تو آتا نہیں، شریعت کا حکم ہے اس لئے غسل فرض ہے، کیوں کہ منی کے نکلنے سے صرف موضع منی کو دھونا چاہئے، اس کے بعد میں نے اس کی مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ امریکہ و برطانیہ کے ایک طبی بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس وقت منی شہوت کے ساتھ نکلتی ہے تو بدن کے ہر بال اور ہر بن میں ایک طرح کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے اگر رگڑ رگڑ کر نہ دھویا جائے تو بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، اس سے ایک مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، غسل جنابت میں مالکیہ کے نزدیک دلک (رگڑنا) فرض ہے، اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مسنون، اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی، ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۸۸ھ تک میرے ذمے دورۂ حدیث کے اسباق رہے ہیں میں اپنے اسباق میں برابر یہ کہتا رہا ہوں ''حدیث''**إذا قعد بين شعبها الأربع الخ**'' مسئلہ تو

بتایا گیا شریعت کا، مگر قربان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے صحبت کا بہترین طریقہ بتایا ہے، صحبت کے اطباء نے بیسوں طریقے لکھے ہیں مگر اس کو صحبت اور صحت دونوں کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ قرار دیا۔

فرمایا: ایک اور مسئلہ کے ذیل میں حضورؐ کا بہترین طریقہ سنو! خاص طور سے لندن والوں کے سننے کا ہے، انگریزوں کے مردوں اور عورتوں میں پائریا کا مرض بہت کثرت سے پایا جاتا ہے، ڈاکٹروں نے تحقیقات کر کے فیصلہ کیا کہ مردوں کی داڑھی اور عورتوں کے سر کے بال رطوبت کو چوستے ہیں، چونکہ انگریزوں کے یہاں یہ نہیں ہے اس لئے یہ مرض وہاں بہت پیدا ہوتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں میں ہر طرح کی چیزوں کو پڑھتا تھا اس طرح کی چیزیں تیس سال پہلے پڑھی تھیں اور اپنے رجسٹر میں درج کر لیا تھا (مولانا) علی میاں کو بھی اس پر حیرت ہے ایک سال تک میرا یہ معمول تھا کہ رات میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ مشکل سے سویا ہوں میں نے مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں کنز الدقائق کا حاشیہ لکھ رہا تھا تو دو سال تک رات میں نہیں سویا۔

مپندار جاناں بجائے کسی   کہ بے سعی ہرگز نہ جائے رسی

حدیث میں شق صدر کا ذکر آیا ہے مثلاً حضورؐ کے سینۂ مبارک کو معراج سے پہلے چاک کر کے قلب اطہر کو نکالا گیا اور زمزم سے دھویا گیا اس لئے کہا گیا ہے کہ زمزم کا پانی آبِ کوثر سے افضل ہے اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا اس پر اعتراضات کئے گئے ہیں، سرسید نے بھی اعتراض کیا کہ ''ایمان وحکمت ایک معنوی چیز ہے اس کو کس طرح بھرا گیا'' اور بعض بدتمیزوں کی تحریروں و زبانوں سے یہ

اعتراضات ہم نے پڑھے اور سنے ہیں مگر اسی زمانے میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ بجلی کے ذریعے ایک آدمی میں ۴۰، ۵۰ بلکہ ۸۰ رگھوڑوں کی قوت بھری جاسکتی ہے پھر اس حدیث کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے، علاماتِ قیامت میں ہے کہ ایک آواز ایسی آئے گی کہ مشرق ومغرب کے سارے باشندے سنیں گے، آج لاسلکی نے اس کو سمجھا دیا اسی طرح آیا ہے کہ محشر کی آواز سب سنیں گے، ٹیلی ویژن نے اس کو سمجھنا آسان بنادیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں سے ایک عادت مسواک کی ہے، ابوداؤد ونسائی میں اس روایت کے سلسلے میں ''اع، اع، اح، اح'' کے الفاظ وارد ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زبان مبارک پر بھی مسواک کرتے تھے، جس کو راوی نے اس طرح بیان کیا ہے، درحقیقت یہ آواز کی تعبیر ہے، کھانسی کے لئے مسواک کو ذرا اندر کی طرف پھیرے تو یہ اس کا بہترین علاج ہے میرا بیسوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ جتنی اندر مسواک ڈالی جائے گی، جمع شدہ بلغم خارج ہوجائے گا اور کھانسی ختم ہوجائے گی، ڈاکٹر وحکیم جو بھی کہیں میری کھانسی کئی مرتبہ اس طرح کرنے سے ختم ہوئی ہے۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! سنت میں جو فوائد ہیں وہ کسی چیز میں نہیں، تجربہ کرلو مگر معاند کے ساتھ نہیں، میرے محلّہ کے ایک صاحب نے جو میرے والد صاحب اور میرے چچا جان کے دوست تھے، اور میرے بھی دوست تھے، انہوں نے اپنی عزیزہ کے لئے جو بیمار تھیں چچا جان کو خط لکھ کر تعویذ منگوایا، جوابی خط بھیجا تھا چچا جان نے پتہ کاٹ کر میرے پتے پر جواب تحریر فرمایا اور اس میں ایک دعا لکھ دی کہ صبح وشام پڑھ دیا کرو اور اگر اس دعا سے نہ اچھی ہو تو اس کا مرنا ہی اچھا ہے جس کو اعتقاد نہ ہو اس کے

لئے یہی حکم ہے خواہ ہماری عقول میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں مگر حقیقت یہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: مفتی صاحب اس کا نقل کرنا کیسا ہے؟ مفتی صاحب خاموش رہے فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے وہاں ایک عورت اپنے مادرزاد نابینا لڑکے کو دعا کے لئے لائی اور بہت عاجزی سے درخواست کی کہ ''حضرت اس پر ہاتھ پھیر دیں کہ اچھا ہو جائے'' حضرت نے فرمایا یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، اس عورت نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں آپ ہاتھ پھیر دیں، مگر مولانا وہاں سے اٹھ کر چل دیئے، راستہ میں عتاب (بذریعہ الہام) ہو گیا کہ ''تم کون اور عیسیٰ کون؟ کرنے والے ہم ہیں'' چنانچہ مولانا واپس ہوئے اور ''مامی کنیم مامی کنیم'' کہتے ہوئے ہاتھ پھیرا اور وہ اچھا ہو گیا درحقیقت نفع پہنچانے والا حق تعالیٰ ہے، عامی لوگ اسے کیا سمجھیں۔

بیعت کی حقیقت:

آج بھی روزانہ کے معمول کے مطابق بہت سے لوگ بیعت ہوئے اس سے فراغت کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: بیعت ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی مدرسہ میں کوئی طالب علم داخلہ فارم داخل کرے اگر وہ داخلہ فارم داخل کر کے محنت نہ کرے تو وہ علم سے کورا رہے گا، اسی طرح اجازت گویا مدرسہ کی سند فراغ ہے، یعنی طالب علم میں ایک خاص استعداد پیدا ہوگئی، جس طرح مدرسہ کی سند اس بات کی ضمانت ہے کہ تم میں پڑھانے کی استعداد پیدا ہوگئی ہے لیکن اگر کوئی سند لے کر کھیتی باڑی شروع کر دے تو ضائع ہو جائے گا۔

اجازت کی ذمہ داری:

اجازت بڑھانے کے لئے ہوتی ہے، جو لوگ اس کے بعد سمجھ گئے کہ میں کچھ ہو گیا وہ کھو گئے اور کھڈ میں گر گئے، اگر کچھ کر لے تو یہ ترقیات کا ذریعہ ہے اگر کہہ دوں کہ اللہ کی طرف سے اس بات کی شہادت ہے کہ تم میں اہلیت ہے، بشرطیکہ کچھ کر لو تو بے جا نہ ہوگا، جن لوگوں کو اجازت کا شوق پیدا ہو جائے وہ ناکام ہوتے ہیں، میں نے اپنے معاصرین اور بڑوں میں اس کے خوب تجربے کئے ہیں، اگر کسی کے بارے میں مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا طالب ہے تو مجھے گرانی ہوتی ہے ''من طلب منکم الامارۃ'' سے یہ مضمون مستنبط ہے اپنی نااہلیت و کم مائیگی کا استحضار ضروری ہے، اجازت کے بعد جن کے قلب میں ایک بجلی کوند جائے اور کپکپی پیدا ہو جائے، وہ کامیاب، ورنہ ناکام رہے گا، جب مجھے میرے حضرت نے اجازت دی تو میرے اعضاء پر کئی دن تک اثر رہا، فغطنی والی روایت میں ہے ''فخشیت الخ'' اس کی بارہ توجیہات کی گئی ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ نبوت کے بار گراں سے حضورؐ پر ایسا اثر ہوا کہ موت کا اندیشہ معلوم ہونے لگا، میں نے اپنے اکابر اور حضرت مدنیؒ سے سنا ہے کہ جس کو اجازت کے بعد کرنٹ کا سا اثر پیدا ہوا اس کو زیادہ نفع ہوا، اجازت بہت سی مصالح کی بناء پر دی جاتی ہے، میں حضرت گنگوہیؒ اور اکابر کے لوگوں میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کو اجازت نہیں دی گئی حالانکہ ان کے حالات بہت سے اجازت یافتہ لوگوں سے اچھے تھے، حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ اپنے بعض مجازین کو اندر بلایا، اور کچھ لوگوں کو باہر بٹھایا اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم اونچے ہو اور دوسرے فروتر، یہ گھمنڈ نہ ہو، مجھے جب میرے حضرت نے اجازت دی تھی تو میری تمنا تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو اس

کے لئے میں نے حضرت رائے پوری کے پاؤں تک پکڑ لئے۔

رمضان میں حضرت مدنیؒ سے مکاتبت:

فرمایا: رمضان میں میرا اور حضرت مدنی کا یہ معمول تھا کہ ہر ایک دوسرے کو پہلے خط لکھا کرتا تھا، اکثر میں ہی لکھتا تھا، عموماً میرے خط میں شعر ہوتا تھا، ایک مرتبہ میں نے خط لکھا، اس میں یہ شعر تھا۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

حضرت کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مِرے گھر سے یہ ساماں نکلا

پندرھویں مجلس

(۱۵؍رمضان المبارک)

دوستی ودشمنی میں راہِ اعتدال:

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ مردوں کو برائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو بلکہ ان کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو، ہم لوگ اس قدر افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، تعریف میں تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں، اور کسی کو تحت الثریٰ میں پہونچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلاَ یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی أَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم اس کے ساتھ نہ انصاف کرو، انصاف اختیار کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

لطیفہ: فرمایا، گجراتی کسی کو پہچانتے نہیں، جب ہم ہی کو نہیں پہچانتے تو اوروں کو کیا پہچانیں گے۔

تعمیر حیات کا مضمون:

لکھنؤ سے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے ''تعمیر حیات'' ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھجوایا تھا، جس میں ''جمال عبدالناصر''

کے بارے میں مصری اخبارات کے تأثرات کا ترجمہ کیا گیا تھا، آج کی مجلس میں وہ پڑھ کر سنایا گیا، ایک عنوان تھا ''مرگِ غیرت تیری دہائی'' دوسرا عنوان تھا ''نئے خالق نئے نبی، نیا کلمہ'' تیسرا عنوان تھا ''عہد ناصری کا آخری کارنامہ'' اس کو سن کر پورا مجمع استغفار پڑھ رہا تھا اور حضرت پر بھی شدید تأثر تھا۔

ارشاد فرمایا: حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا، میرے دوستو! دین پر مضبوطی سے قائم رہو، اور اکابر کے طریقۂ زندگی پر چلنے کا عہد کرو۔

سولہویں مجلس

(۱۶/رمضان المبارک)

مجاہدہ:

ارشاد فرمایا: پورے مہینے کا ایک ایک عشرہ کی نیت سے اعتکاف مستحب ہے اور ایذاءِ مسلم حرام ہے تم لوگ مجاہدہ کے لئے آئے ہو، جب پلاؤ کی رکابیاں چلے ہیں تو مجاہدہ کا کیا ہوگا، مجاہدہ تو رائے پور کی دال میں تھا، بہت کھانا کوئی اچھی چیز نہیں، اگرچہ کم کھانے کو میں بھی نہیں کہتا، کچھ کرلو، اگلا رمضان آوے گا یا نہیں میں تو چلا ہی جاؤں گا، اگر کچھ کرلوگے تو تمہیں ہی کام آوے گا۔

میرے والد صاحب رمضان میں گنگوہ میں اذان دیا کرتے اگر کھجور وغیرہ موجود ہوتی تو اسی سے افطار کرتے ورنہ گھاس کا پتہ چبا کر طویل اذان دیتے کہ اتنے میں حضرت اقدس فارغ ہوجائیں۔

مہمانوں کا اکرام:

آج ایک نابینا مہمان آئے تھے حضرت نے ان سے فرمایا تھوڑی دیر تشریف رکھئے پھر ملاقات کروں گا مگر وہ چلے گئے اس پر حضرت کو قلق ہو رہا تھا، چاروں طرف تلاش کرایا، مگر وہ نہیں مل سکے۔

فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے مہمانوں کا اور زیادہ اکرام کروں، حدیث میں آیا ہے ''من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ'' جس کا اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے، اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اپنا شام کا کھانا چھوڑنے کا قصہ:

ارشاد فرمایا: میرا چالیس پچاس سال سے شام کا کھانا چھوٹ گیا ہے یہ میں نے مطالعہ کتب بینی میں حرج کی وجہ سے چھوڑا تھا، ورنہ ابتدا میں بھوک بھی لگتی تھی، ایک سال تک میری بہن مولوی سلمان کی نانی میرے پاس دورانِ مطالعہ میں بیٹھتی تھیں، اور ایک ایک لقمہ میرے منہ میں ڈالتی رہتی تھیں، اپنے اکابر حضرت رائے پوریؒ حضرت مدنی اور چچا جان کی آمد پر خوب کھالیتا تھا، گرانی نہیں ہوتی تھی مگر ۱۰، ۱۲/سال سے شام کا کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے، اگر کبھی شام کو کسی کی آمد پر کچھ کھا لیا تو گرانی محسوس ہوتی تھی ادھر ۵، ۶/سال سے بالکل ہی چھوٹ گیا ہے۔

کانپور سے ایک مستری صاحب یہاں آئے وہ میرا معمول دیکھ کر واپس گئے ان کا خط آیا کہ ''میں نے جناب کو دیکھ کر شام کا کھانا چھوڑ دیا ہے، رات کو تہجد میں طبیعت خوب لگتی ہے'' میں نے ان کو ڈانٹ کر خط لکھا ایسا ہرگز ہرگز نہ کرو، ابھی میرا خط ان کو نہیں ملا ہوگا کہ مجھے ان کا دوسرا خط ملا کہ ''اب کمزوری وضعف محسوس ہو رہا ہے'' بھائی ہر چیز میں میری حرص نہ کرو اگر کچھ کرنا ہو تو مجھ سے پوچھ کر کیا کرو۔

رمضان کا اِدبار:

فرمایا: میں اپنے دوستوں سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ رمضان میں اِدبار بھی ہوتا ہے، بزرگوں نے اس سے استنباط کیا کہ حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے،

اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا، اسی طرح رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا۔

کاندھلہ کے افطار وسحری کا طریقہ:

فرمایا: کاندھلہ میں پہلے رمضان المبارک میں ایک بڑا دیگ پکا کرتا تھا اس دیگ سے کھانا نکال کر رکھ دیا جاتا اور سب لوگ کھا لیتے اور جو آتا کھانے میں شریک ہو جاتا، اس کے بعد عشاء تک لوگ نفل میں مشغول رہتے مگر اب طریقہ بدل گیا ہے ہمارے یہاں ایک گھر میں پانچ چھ حفاظ ہوتے تھے وہ تسلسل سے باری باری قرآن سناتے سحری میں معمول یہ تھا کہ گرم روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے اور اس میں راب و گھی ڈال دیتے بالکل حلوے کی طرح ہو جاتی وہی کھائی جاتی تھی اس کو چوڑی کہتے تھے اس کا شان نزول ہم نے یہ سنا تھا کہ وہ دیر ہضم ہوتی تھی، چائے کا دستور نہیں تھا، ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ایک نسخہ میں لکھ دیا پورے قصبہ میں تلاش کرائی گئی مگر نہیں مل سکی۔

اوقات کی پابندی:

آج کچھ افریقی طلباء جلال آباد سے آئے ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ ہم یہاں ۴ بجے تک کے لئے حاضر ہوئے ہیں کیوں کہ مدرسہ سے اتنے ہی وقت کے لئے ہم نے چھٹی لی ہے اس پر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضرت سہارنپوریؒ سے جتنے دن کی چھٹی لے کر میں کاندھلہ جاتا ٹھیک وقت پر واپس آ جاتا کبھی اس کے خلاف نہیں کیا خواہ کوئی اہم بات پیش آ جائے ہر شخص کے حاسد ہوا کرتے تھے کچھ لوگ ایسے تھے جو مجھے ''بذل المجہود'' کے کام سے گرانا چاہتے تھے۔

اصل چیز مرید کی طلب ہے:

ارشاد فرمایا: باون سال تک دورۂ حدیث میں مَیں کہتا رہا ہوں اور یہی چیز بزرگی کے اندر بھی کہا کرتا ہوں کہ شیخ یا استاد کو متوجہ کرنا تمہارے اپنے قبضے کی بات ہے، حدیث پاک سے یہ مضمون مستنبط ہے، شیخ کی بے توجہی اتنی مضر نہیں جتنی مرید و طالب کی مضر ہے، حضرت وحشیؓ جو حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل تھے ان کا قصہ اس پر دلیل ہے یہ ناراضگی شیخ کی طرف سے تھی اور وہ اعرابی جس نے آ کر آپ سے ''اقلنی بیعتی'' میری بیعت فسخ کر دیجئے کہا تھا حضورؐ نے اس سے اصرار سے مدینہ پاک میں قیام کے لئے فرمایا، مگر نہ مانا تو ناکام رہا یہ طالب کی بے توجہی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے ایک صاحب بیعت ہوئے حضرت نے انہیں ذکر کی تلقین کی اور تین چار دن روکنا چاہا، مگر انہوں نے بہت سارے اعذار بیان کئے اور جانے پر اصرار کیا حضرت نے اجازت دے دی اور ارشاد فرمایا ''مقدرات کو کون ٹال سکتا ہے، دو دو ضربوں میں مہینوں کی ترقی کر رہا تھا'' میرے حضرت سہارنپوریؒ نے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا: ''میری حقیقت کچھ بھی نہیں میری مثال نل کی سی ہے جو مبداء فیاض کی طرف سے عطا ہوتا ہے، کھینچنے والے کی قوت پر مدار ہے، یہی میری مثال ہے، اتنا ضرور ہے کہ نل کے بغیر پانی نہیں نکلے گا، مگر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، ''بذل'' کے بارے میں بعض لوگوں نے میرے حضرتؒ کے سامنے یہ تجویز رکھی ''یہ مدرسہ کے ملازم ہیں مستقل آدمی کی ضرورت ہے'' چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کے لئے مقرر ہوئے لیکن یہ بیوی بچوں والے آدمی تھے جلدی جلدی گھر جاتے تھے، دو دن کہہ کر جاتے تو چار دن میں واپس آتے، میں حضرتؒ سے عرض کرتا کہ ان کی

عدم موجودگی میں ''بذل'' میں لکھوں گا، حضرت فرماتے ''مدرسہ کا حرج ہوگا'' میں زور سے کہتا یہ سارے مدرسین بیماری وغیرہ کی رخصت لیتے رہتے ہیں، میں کبھی غیر حاضر نہیں ہوا، دو دن کی چھٹی لے لیتا ہوں، اگر فرمائیں تو اس کی بھی ضرورت نہیں میں خارج میں طلبہ کو پڑھادوں گا اس زمانے کے طالب علم اسٹرائیکی نہیں تھے۔

دوسری مرتبہ ''بذل'' کی تسوید وتحریر کے لئے ایک صاحب کو مقرر کیا گیا، مگر کاپی نویس نے کہہ دیا کہ ''مجھے ان کے خط کے نقل کرنے میں زیادہ آسانی ہے'' وہ میرے معین بن گئے اس طرح گھوم پھر کر پھر ''بذل'' میرے پاس آئی۔

باوضو سبق کا پڑھنا:

ارشاد فرمایا: میرا ایک ساتھی اور دوست محمد حسن مرحوم تھا اس سے زیادہ صالح میں نے اپنے بچپن میں کسی اور ساتھی کو نہیں دیکھا، ہم دونوں نے طے کر رکھا تھا کہ بے وضو کسی حدیث کو استاد کے سامنے نہیں پڑھنا ہے اور یہ کہ کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے اب تو پیشاب کے تقاضے کی وجہ سے میں افطار میں بھی شرکت نہیں کرسکتا کیوں کہ حرکت سے تقاضا پیدا ہوجاتا ہے، اور کھانے کو جی نہیں چاہتا ہے کہ افطار و کھانے میں میں تمہارے ساتھ شریک ہوں، مگر مجبوریاں ہیں، بہر حال ہم دونوں سبق میں تو ئمین کی طرح ایک ساتھ بیٹھتے تھے، کبھی وضو کی ضرورت ہوتی تو کہنی مار کر وہ اٹھ جاتا تو میں کہتا حضرت یہاں پر یہ اشکال ہے، تاکہ سبق آگے نہ بڑھے اور وہ بھی وضو کر کے آجائے اسی طرح میں بھی کرتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ میں نے اشکال کیا کہ حضرت ''فتح القدیر'' میں یوں لکھا ہے، تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا ''تمہاری فتح القدیر سے میں اپنی جگہ پر نمٹتا رہوں گا'' پہلے ایک قصہ سنائے دیتا ہوں، میرے والد صاحبؒ سبق

میں اشعار و قصے وغیرہ بھی سنایا کرتے تھے اور میرے حضرتؒ مجسم وقار تھے، میرا بھی سبق میں معمول تھا کہ ششماہی تک والد صاحبؒ کا تابع رہتا تھا اور اس کے بعد حضرتؒ کا، کیوں کہ کتاب ختم کرانی ہوتی، محمد حسن مرحوم کا خط بھی بہت پاکیزہ تھا، مگر پاکیزہ خط والوں کا دستور ہے کہ وہ نقطے غلط لگاتے ہیں، ان کے ذمے ''بذل'' کا کام دیا گیا تھا مگر اسی وجہ سے پھر میرے ہی پاس آ گیا۔

حضرت سہارنپوریؒ کے سامنے پان کھانے سے احتراز:

ارشاد فرمایا: میں اپنے والد صاحبؒ کے زمانے میں پان بغیر تمبا کو کے کھاتا تھا، البتہ بعد میں تمبا کو کھانا شروع کیا میرے حضرتؒ کے یہاں ''بذل'' کے لکھنے کے وقت اچھے سے اچھے مہمان کا آنا گراں گزرتا تھا، جب کوئی آ جاتا تو میں ''شذرات الصحاح'' لکھنا شروع کر دیتا، تفصیل کے لئے ''آپ بیتی نمبر۲'' ملاحظہ ہو میں نے خوب پان کھائے، مگر ان دانتوں پر والد صاحبؒ اور میرے حضرتؒ کے دور میں کبھی سرخی نہیں آئی، صبح کے وقت حضرت کے یہاں ڈاک آتی تھی، اس وقت چھپ کر میں پان کھالیتا تھا اور اس کا معاملہ میں نے کتب خانہ کے ملازم سے کر رکھا تھا، ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ گنگوہ جانا ہوا، وہاں بڑی اماں (نانی اماں) نے ایک بڑا پان میرے لئے اور ایک چھوٹا حضرتؒ کے لئے بنوا کر بھیجا، اس وقت میرے پان کھانے کا حضرتؒ نے ذکر فرمایا۔

طلباء کا اجتماع:

۷/رمضان المبارک سے اخیر رمضان تک مسجد کے صحن میں طلبہ کا اجتماع ۱۰ بجے سے ۱۱/بجے تک ہوتا تھا، اس کا آغاز حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی تقریر سے

ہوا، افسوس کہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے میں پوری تقریر میں شریک نہ ہوسکا، حضرت مولانا نے طلبہ اور علماء کو مبارک مقصد سے آمد پر مبارک باددی اور یہاں حاضری کی قدر و قیمت کو بتایا، دوسرے دن حضرت مولانا منظور نعمانی کی تقریر ہوئی، انہوں نے فرمایا: ''آپ سب حضرات ایک اہم مقصد کے تحت یہاں حاضر ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس امت کو اعمال کا وارث بنایا، اسی طرح روحانیت کا بھی وارث بنایا ہے اور اس کا سلسلہ امت میں تسلسل کے ساتھ قائم ہے، ہم اپنے گھروں پر روزہ، تلاوت وغیرہ اعمال سب کرتے ہیں، مگر یہاں آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان میں روحانیت پیدا ہو جائے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کو انشراح ہو، اگر خدانخواستہ کسی بات سے تکدر ہو تو اندیشہ ہے کہ کہیں سارا مجمع محروم نہ ہو جائے اس لئے دو باتوں کا خاص دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) تحفظ اوقات۔ (۲) بے ضرورت بات نہ کی جائے۔

دو تین روز کے بعد اس اجتماع میں مواعظ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سنانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

سترہویں مجلس

(۱۷؍رمضان المبارک)

اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا:

حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، میرے والد صاحب (حضرت مولانا یحییٰ صاحب) حضرت گنگوہیؒ کے خاص خادم تھے، والد صاحبؒ سے دریافت فرمایا، مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہے، حضرت گنگوہیؒ کو جب کوئی اہم بات فرمانا ہوتی، اس وقت مذکورہ سوال اولاً فرمایا کرتے تھے، والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ ''میں ہوں، اور الیاس'' (بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے چھوٹے بھائی) اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اثر کئے بغیر نہیں رہتا'' یہی میری بھی رائے ہے، کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر دُھل جاتا ہے، مگر ذاکرین شروع میں اہتمام کرتے ہیں، ابتدا میں اچھے اچھے حالات پیش آتے ہیں، یہ بہت نازک مرحلہ ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، جب قلب ذکر سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ حالات کم ہو جاتے ہیں، اس سے

مایوس نہ ہونا چاہئے ۔

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

برادرم مولانا عبدالرحیم متالا راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا، تم نے یہ شعر بھی سنا ہے؟ ۔

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

احقر نے عرض کیا جی! حضرت سنا ہے، ارشاد فرمایا ہمارے حضرت تھانویؒ نے اس میں ترمیم فرمائی ہے ۔

ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

یعنی ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے، لیکن یہ ترمیم دراصل حضرت گنگوہیؒ کی فرمائی ہوئی ہے۔

نسبت کے اقسام اربعہ:

ارشاد فرمایا: غور سے سنو، تم علماء کرام ہو، ''لامع الدراری'' کے حاشیہ پر ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر عزیزی سے نقل کیا گیا ہے، یہ مضمون (**باب کیف کان بدؤ الوحی**) کے تحت ''**فغطنی**'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے، جب پہلی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور حضورؐ سے پڑھنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ ''**ما أنا بقارئ**'' میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دبوچا، اس کے بعد آپ پڑھنے لگے، اس حدیث میں یہ بھی ہے ''**حتی بلغ منی الجهد**''.

اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس میں

انتہائی مشقت ہوئی، اس پر بظاہر اشکال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل ہیئت میں تشریف لائے تو ایک پوری قوم کو تباہ کر دیا، یہاں آدمی کی صورت میں تشریف لائے، جو کسی کی زی (ہیئت) اختیار کرتا ہے، اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، جن اگر سانپ بچھو کی شکل میں آئے تو ایک لکڑی سے اگر مارا جائے تو مر جائے گا، (حضرت شاہ اہل اللہ صاحب کا قصہ مشہور ہے دیکھو تذکرۃ الرشید) لیکن اگر جن اپنی اصلی ہیئت وصورت میں آئے تو اس کا مارنا آسان نہیں، بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، جب حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی روح قبض کرنے آئے تو انہوں نے تھپڑ کھینچ کر مارا تو ان کی ایک آنکھ نکل آئی، اس پر بہت سے جہلا اپنی جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، میرے پاس بھی اس پر اعتراضات کے بہت سے خطوط آئے، مگر یہاں بھی وہی بات ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آدمی کی صورت میں آئے تھے، اس لئے مارنے کا اثر ظاہر ہوا، معلوم ہوا کہ اگر زی (ہیئت) بدل جائے تو اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں، میری رائے یہ ہے کہ فرشتہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں ملک الموت علیہ السلام ہوں، میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں، فرشتہ نبی کی روح قبض کرنے کے لئے اس کی اجازت لے کر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت "**اللّٰهُم أنت الرفيق الأعلى**" فرمایا، اس سے نبیؐ کو جو اختیار دیا جاتا ہے اس کا مطلب سمجھ میں آیا، چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بغیر اجازت کے فرشتہ آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال غالب تھا، اس لئے تھپڑ مارا۔

بہر حال حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچا، علماء ظاہر کرتے ہیں کہ یہ استاد کی تنبیہ تھی شاگرد کے لئے، اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استاد تین مرتبہ شاگرد کو تنبیہ کرسکتا ہے، لیکن میرے نزدیک در حقیقت یہ دبوچنا نسبت اتحادیہ پیدا کرنے کے لئے تھا نسبت کے لغوی معنی ہیں، لگاؤ وتعلق، اور اصطلاحی معنی ہیں، بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضا، جیسا کہ عاشق مطیع و وفادار معشوق میں ہوتا ہے، اس کو وصول الی اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہ نے نسبت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) نسبت انعکاسی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید جب ذکر کرتا ہے تو شیخ کے قلب کا عکس مرید پر پڑتا ہے اور اس کے قلب میں اثر پیدا ہوتا ہے، جیسے آگ سے موم میں پیدا ہوتا ہے مگر یہ اثر بالکل ابتدائی ہوتا ہے، شیخ کی صحبت سے یہ اثر شروع ہوتا ہے، ایسی صورت میں جو رونا دھونا وانابت وغیرہ کا اثر محسوس ہوتا ہے وہ سب شیخ کی توجہ کا اثر ہے، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے بہت وافر مقدار میں عطر لگا رکھا ہے، اب جو اس کی مجلس میں بیٹھے گا وہ خوشبو محسوس کرے گا، بلکہ یہ خوشبو مشام جاں کو معطر کردے گی، مگر اس کا اثر اسی وقت تک ہے جب تک کہ شیخ کی مجلس میں موجود رہے۔

ذکر وشغل سے یا اللہ کی دین سے قلب میں جلاء پیدا ہوجاتی ہے، ایک بڑھئی اپنے لڑکے سے کہتا تھا کہ "کام کرو، ورنہ سڑا سڑا کر ماروں گا، کسی نے اس سے اس کا

مطلب پوچھا، اس نے کہا کہ "اس کو پہلے کسی مکتب میں داخل کروں گا، ایک دو پیسہ دیتا رہوں گا، حافظ صاحب خوب پیٹ پیٹ کر اس کو پڑھائیں گے، جب اس کو چسکا لگ جائے گا، تو پھر سڑ سڑ کر خود مر جائے گا، میں ممتاز گیاوی کا قصہ سنا چکا ہوں، شعبان میں مظاہر علوم سے دورۂ حدیث کا امتحان دے کر تھانہ بھون گیا، اور شوال میں وہاں سے خلافت لے کر اپنے وطن واپس گیا، میں نے اپنے بزرگوں کے یہاں ایسے کئی اشخاص کو دیکھا ہے کہ وہ دورۂ حدیث کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، کبھی یہ نسبت کسی ادا پر مل جاتی ہے، ممتاز گیاوی کو اپنے زمانہ طالب علمی میں بے ضرورت بات نہ کرنے پر کامیابی ہوئی، اسی نسبت کا اثر یہ ہے کہ شیخ کی توجہ کا اثر مرید کے قلب میں پڑتا ہے، انوار بھی آتے ہیں، مگر حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نسبت بہت کمزور ہے، تھوڑی دیر کے لئے آئینہ ہٹ جائے یعنی شیخ مجلس سے ہٹ جائے تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے، مگر میری رائے یہ ہے کہ اس سے نہیں جاتی، بلکہ اگر کوئی اس راہ میں مر مٹے تو ترقی کرتی رہتی ہے، البتہ معاصی سے خاص کر بد نگاہی سے یہ بہت جلد ضائع ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔

بعض مشائخ بعض مخصوص حالات میں اس پر اجازت بھی دے دیتے ہیں اس خیال سے کہ مرید پیچھے نہیں ہٹے گا، میرے خیال میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مریدین کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت دے دی تھی، اس کی بھی یہی صورت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو ایک ہی ہفتہ میں خلافت دی تھی، وہ بھی اسی نوع کی تھی، مگر اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں "پھر تو میں مر مٹا" حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے یہاں اس پر اجازت

دینے کا دستور تھا، ان دونوں کے یہاں خلفاء کی دو قسمیں تھیں، ایک مجاز بالصحبت اور ایک مجاز بالبیعت، البتہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہند کے یہاں اس پر اجازت دینے کا دستور نہیں تھا، ابتداء میں حضرت مدنیؒ کے یہاں بھی نہیں تھا، مگر اخیر میں ہو گیا تھا، میری حضرت تھانویؒ و حضرت رائے پوری سے اس مسئلہ پر گفتگو بھی ہوئی ہے، ان حضرات نے فرمایا'' نسبت انعکاسی پر اجازت کسی ایسے شخص کو دی جا سکتی ہے جو کسی ایسے علاقہ کا رہنے والا ہو کہ وہاں بدعات کا زور ہو اور توقع ہو کہ اجازت دینے سے اس علاقہ میں کام کرنے کے سبب وہ اپنی نسبت کو اور قوی بنائے گا''۔

(۲) نسبت القائی:

شیخ اپنے قلب کی نورانیت سے دوسرے طالب کے اندر ایک نورانی کیفیت پیدا کر دے، اس کیفیت کا باقی رکھنا مرید کا اپنا کام ہے، اگر ذکر و شغل پر مداومت کرتا ہے تو یہ کیفیت باقی رہے گی، ورنہ ختم ہو جائے گی، اس کی مثال حضرت شاہ صاحبؒ نے چراغ سے دی ہے، جیسے کوئی چراغ لے اور اس میں تیل و بتی ڈال دے، اور شیخ کی لَو سے لَو لگا کر اپنے چراغ کو جلا لے، یہ چراغ شیخ کے بعد بھی جلتا رہے گا، جتنا زیادہ تیل و بتی صاف ہوں گے روشنی بڑھتی رہے گی، بشرطیکہ کوئی تند و تیز ہوا ضائع نہ کر دے، یہ نسبت پہلی سے اونچی ہے، اس پر میرا حاشیہ یہ ہے کہ اگر اس نسبت والے معمولات کی پابندی کرتے رہیں، اور معاصی سے پرہیز کرتے رہیں، اس کے بعد اگر کوئی معمولی لغزش ہو جائے تو بھی یہ باقی رہے گی، لیکن اگر کسی بڑی معصیت کا صدور ہو گیا، تو یہ بجھ جائے گی۔

ارشاد فرمایا: معاصی دو قسم کے ہیں، حیوانی و شیطانی، حیوانی کھانا، پینا، شہوت

وغیرہ، شیطانی تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنا، اس کو ''رسالہ اسٹرائک'' میں میں نے لکھا ہے، مفتی محمود صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا، اس سے پہلی قسم کے معاصی کی اہمیت ہلکی ہو جاتی ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ پہلی قسم کے معاصی رونے دھونے سے معاف ہو سکتے ہیں اور دوسری قسم میں توبہ کی توفیق کم ملتی ہے، آدمی اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں، اس کی معافی دیر سے ہوتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا، مگر وہ غلطی سے گئے، پھر توبہ کی اور وہ قبول ہوئی، ابلیس نے سجدہ سے تکبر کی بناء پر انکار کیا تھا پہلی قسم میں افتقار پیدا ہوتا ہے، اور دوسری میں اللہ کی کبریائی سے مقابلہ، بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے حالات قابل رشک تھے، مگر دوسروں پر تنقید اور تحقیر نے انہیں گرا دیا، بہر حال اس نسبت سے اگر دوسری قسم کے معاصی مزاحم ہوئے تو معاملہ زیادہ سخت ہے۔

میں نے اپنے بڑوں اور معاصرین وچھوٹوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے دور سے لے کر مولوی انعام صاحب کا دور میرے سامنے ہے، ایک مصیبت ہر دور میں دیکھی کہ ہر دور میں لوگ یہ کہتے رہے کہ جو بات حضرت میں تھی وہ ان میں نہیں ہے، مثلاً کہتے تھے '' کہ جو بات مولانا محمد الیاس'' میں تھی وہ حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) میں نہیں''، میں کہا کرتا تھا جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں تھی، حضرت گنگوہیؒ کے لوگوں میں بعض حضرات ایسے تھے جو بعد والوں کے لئے مشائخ کے درجے کے تھے مگر بعد میں حضرت کے خلفاء سے رجوع نہیں کیا، معاصرت حجاب بن گئی، اس لئے گر گئے، حضرت مدنیؒ نے

لکھا ہے'' کہ جب مجھ کو اجازت ملی تو میں تڑپ گیا'' اجازت پر ایک بجلی کوند جائے اور بے چین کردے، یہ درحقیقت اجازت ہے یہ نسبت پہلے سے قوی ہوتی ہے، دیکھو عکس کو کوئی پکا کرے گا تو پکا رہے گا، ورنہ مٹ جائے گا۔

(۳) نسبت اصلاحی:

یہ پہلی دونوں نسبتوں سے اونچی ہے، اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ شیخ اپنی نورانیت کا وافر حصّہ مرید کے لیے فراہم کردیتا ہے، لیکن اس میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، پہلے اخلاق درست کراتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں، اسکی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص نہر کھودے، اور اس کی صفائی کرے، اور اس نہر کو کھودتے کھودتے کسی بڑے دریا یا سمندر کے دہانے سے ملادے، اس نہر میں اگر معمولی خس وخاشاک آجائیں گے، تو دہانہ بند نہ ہوگا، اور اگر کوئی لغزش صادر ہوجائے بہہ جائے گی، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ عامی کو دیکھ کر غلط فہمی نہ ہو کہ فلاں حضرت سے بھی لغزش ومعصیت صادر ہوگئی ہے، اس لئے میرے لئے گنجائش ہے، اگر کوئی ایسا سوچے گا، تو ہلاک ہوجائے گا، یہی وہ درجہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ سے بعض کمزوریوں کا صدور ہوا، مگر حضور ﷺ کی صحبت بابرکت سے سب کچھ بہہ گیا، یعنی انھوں نے ایسی توبہ کی، کہ سب کچھ صاف ہوگیا، نسبت اصلاحی میں سالک اپنے نفس کی تہذیب کرلیتا ہے۔

(۴) نسبت اتحادی:

شیخ مرید کے قلب کے اندر اتر جائے، ''من تو شدم تو من شدی'' کے مصداق بن جائے، جو شیخ کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں آئے، اس

نسبت میں شیخ اپنی روح کو مسترشد کی روح سے متصل کر دیتا ہے، اور اپنے کمالات کا پوری قوت سے اضافہ کرتا ہے، جو شیخ کی روح کے اندر موجود ہیں، یہ نسبت سب سے قوی ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا واقعہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شیخ ہیں دلی کے باہر رہتے تھے، ایک دن چند مہمان آ گئے، مقدر کی بات کہ شیخ اس وقت تہی دست تھے، اتنا بھی پاس نہیں تھا کہ ضروری مدارات کر سکیں، شیخ بہت پریشان ہوئے، کبھی حجرے کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی فرط اضطراب میں باہر آتے، میں نے اپنے اکابر کے یہاں دیکھا ہے، جب ان کے یہاں کوئی خاص مہمان آتا تو اس کا بڑا اہتمام کرتے، حضرت سہارنپوریؒ ایک مرتبہ طویل عرصہ کے بعد تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت اقدس تھانویؒ نے دستر خوان پر ۶۲ رکابیوں میں کھانا رکھ کر ضیافت فرمائی، حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا ''کہ اس قدر کیوں تکلف کیا'' تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا ''حضرت کی آمد یہاں بہت کم ہوتی ہے''۔

بہر حال میں یہ قصہ سنا رہا تھا کہ حضرت باقی باللہ بہت مضطرب تھے، ان کے قریب ہی ایک نانبائی کی دکان تھی، نانبائی پہلے سے شیخ کا معتقد تھا، اس نے دیکھ کر پہچان لیا کہ شیخ مہمانوں کی خاطر داری نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں، اس نے فوراً عمدہ خوان حاضر کر دیا، مہمانوں نے کھانا کھا لیا، شیخ علیہ الرحمہ اس پر بہت خوش ہوئے، اور اس نانبائی سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، عرض کیا کہ حضرت کی دعاؤں سے سب کچھ اللہ کا عطا کردہ موجود ہے، حضرت نے جب اصرار فرمایا تو اس نے کہا کہ حضرت بس اپنا جیسا کر دیجئے، حضرت خواجہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اور کچھ مانگا

ہوتا، لیکن نانبائی نے اس خواہش وطلب پر اصرار کیا، شیخ اس کو اپنے حجرے میں لے گئے اور توجہ دے کر اپنی روح کو جو حامل کمالات تھی اس کی روح سے متحد کر دیا، اور اسے ان کمالات کا حامل بنا دیا، مگر چونکہ یہ انتقال فوری تھا، نانبائی برداشت نہ کر سکا اور تیسرے دن واصل بحق ہو گیا، غرض تھوڑی دیر کے بعد جب دونوں حجرے سے نکلے تو نانبائی شیخ کی شبیہ بن چکا تھا، حتیٰ کہ صورت میں بھی کوئی فرق نہ تھا، فرق تھا تو صرف اس قدر کہ شیخ ہوشمند تھے اور نانبائی مست، اس پر ایک سکر کی کیفیت طاری تھی، یہ نانبائی تین دن کے بعد واصل بحق ہو گیا۔

ارشاد فرمایا: مگر یہ نانبائی حضرت خواجہ باقی باللہؒ بن کر مرا، چونکہ یہ چیز نانبائی کے اصرار سے دفعتاً دی گئی تھی، اس لئے نانبائی برداشت نہ کر سکا، اس عالم فانی میں کمالات عطا کرنے کا قانون تدریج ہے۔

یہاں ''فغطنی'' میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچا، یہ درحقیقت نسبت اتحادی پیدا کرنے کے لئے تھا میرے خیال میں نسبت انعکاسی تو غارِ حرا میں خلوت اختیار کرنے سے حاصل ہو چکی تھی، البتہ بعد کی تین نسبتوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چلایا، بالآخر نسبت اتحادی حاصل ہونے کے بعد آپ ﷺ پڑھنے لگے، صوفیاء کی چیزوں کی اصل حدیث میں موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اتحادی حاصل تھی، چنانچہ ہر موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے حضور ﷺ کی رائے کے مطابق ہوتی تھی، بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں دونوں کی رایوں میں اتفاق تھا، حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عمرؓ نے آ کر حضور ﷺ سے گفتگو کی، جن الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ نے ان کو جواب

دیا، جب حضرت ابوبکرؓ سے آ کر گفتگو ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی انہیں الفاظ میں حضرت عمرؓ کو جواب دیا تھا، حالانکہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہیں تھی، اسی لئے حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بھی ضروری تھی تا کہ دو سال چند ماہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے وصال کے صدمہ کو برداشت کر لیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ٹھیک ٹھیک حضورؐ کی پیروی کی، جب حالات میں استحکام پیدا ہو گیا، تو حضرت عمرؓ کی خلافت کی ضرورت تھی۔

فرمایا: میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنی صورت وسیرت میں بالکل اپنے شیخ کے مشابہ تھے۔

کبھی شاگرد استاد سے بڑھ سکتا ہے:

فرمایا: حدیث میں آیا ہے ’’رُبَّ مبلَّغٍ أوعىٰ من سامع‘‘ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے اور علماء نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد استاد سے بڑھ جاتا ہے، جیسے امام بخاریؒ اپنے بہت سے شیوخ سے بڑھ گئے تھے، علماء نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ علم کو اپنے ادون سے بھی لینا چاہئے، یہی حال سلوک کا ہے، اگر صبح وشام اور رات میں کچھ کر لیا کرو، تو بہت سی ترقیات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

ایک مبلغ کا خواب:

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ بھی آپ کی مجلس میں تشریف فرما تھے، انہوں نے ایک مبلغ کا خواب سنایا، جو باہر جماعت میں گئے تھے کہ انہوں نے خواب میں حضرت جی (مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا، فرما رہے ہیں ’’کہ

میرے زمانے میں تبلیغ کی اتنی مخالفت نہیں تھی، جتنی مولانا انعام الحسن صاحب کے دور میں'' پھر فرمایا''مولانا انعام الحسن صاحب اللہ کا ہاتھ ہیں، تم لوگ ان کے ساتھ پورا تعاون کرو''۔

اٹھارہویں مجلس

(۱۸؍رمضان المبارک)

ہر تنقید قابل قبول نہیں:

ارشاد فرمایا: میرے اقوال وافعال قابل احتجاج نہیں، جب تک کہ تحقیق نہ ہو جائے، البتہ تحریر قابل اعتماد ہے، اس لئے کہ مولویوں اور مفتیوں کو میں بار بار دکھالیتا ہوں۔

فرمایا: آج مولانا ابرار صاحب (خلیفۂ حضرت اقدس تھانویؒ) نے ایک تنقید کی، اور محبت کی تنقید تھی، ایسی تنقید مجھے اچھی لگتی ہے، انہوں نے اعتراض کیا کہ ''یہاں کی تراویح بہت معیاری ہونی چاہئے'' حضرت نے فرمایا: یہاں کی ہر چیز معیاری ہونی چاہئے مجھے اس سے انکار نہیں البتہ ہر شخص کے مصالح ہوا کرتے ہیں، جس کو وہی سمجھتا ہے، مقدمہ ''اوجز'' میں لکھا ہے، حضرت امام مالکؒ اخیر زندگی میں مدینہ منورہ کے قیام کے باجود مسجد میں شرکت جماعت کے لئے نہیں جاتے تھے، جب ان سے لوگ دریافت کرتے تو وہ فرماتے، مجھے عذر ہے، بعض وجوہ سے میں اس کو بیان بھی نہیں کرسکتا، میں نے نظام الدین مرکز تبلیغ بار بار لکھا کہ تمہارے یہاں کئی

مساجد میں تراویح ہوتی ہیں، مگر ایک مسجد ایسی بھی ہونی چاہئے کہ اس میں ۵، ۶ دن میں ایک قرآن ختم ہوا کرے، تاکہ وہاں آنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے۔

یہاں پر ہر عشرہ میں ایک قرآن ختم کراتا ہوں، تاکہ تبلیغ والوں کو اور مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے۔

تھانہ بھون حاضری اور وہاں قرآن سننے کی فرمائش:

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون حاضر ہوئے، ہم لوگ حضرت کے صحن میں کھانا کھانے بیٹھے، حضرت مکان کے اندر سے بہت ہی ہنستے ہوئے تشریف لائے، وہ منظر آج بھی آنکھوں، کانوں میں گونج رہا ہے، حضرت نے فرمایا: ''مولانا زکریا صاحب آج ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ آپ قاری بھی ہیں'' میں نے عرض کیا، حضرت بالکل نہیں، میں تو فارسی میں قرآن پڑھا ہوں، حضرت نے فرمایا: مجھے تو یہی معلوم ہوا تھا کہ آپ قاری نہیں ہیں مگر یہ عورتیں مکان میں بہت ساری جمع ہیں، اور متفق اللسان ہیں کہ آپ قاری ہیں، اور آپ سے قرآن سننے کی میرے واسطے سے درخواست کر رہی ہیں مجھے معلوم تھا کہ بھائی علی احمد صاحب مکی مع اپنی اہلیہ کے آئے ہوئے ہیں میں نے پوچھا کہ حضرت بھائی علی احمد کی اہلیہ تو ان میں نہیں، حضرت نے فرمایا کیسے سمجھا، میں نے عرض کیا کہ تو روایت صحیح ہے، پھر میں نے تحفۃ الاخوان اور شرح جزری کا سارا قصہ سنایا، اور میں نے کہا کہ حضرت میں مدینہ میں قاری ہوں اور ہندوستان میں نہیں۔

مدینہ پاک میں تجوید شروع کرنے کا قصہ:

فرمایا: ۴۵ھ میں جب مدینہ پاک ایک سال کے لئے میری حاضری ہوئی تھی تو وہاں کچھ تجوید پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، اور المقری الشہیر استاذ الاساتذہ القاری حسن شاعر جو اس زمانے میں معمر تھے اور مکہ و مدینہ کے قراء کے مشہور استاد تھے، بڑا ان کا شہرہ تھا، میں نے ان سے شاطبی شروع کی، لیکن پہلے ہی سبق میں لڑائی ہوگئی، اس لئے کہ حضرت قاری صاحب نے یوں فرمایا کہ مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں، اشعار حفظ کرلو، اس ناکارہ نے عرض کیا، اشعار تو ضرور حفظ کر کے سنایا کروں گا مگر اتنے مطلب نہ سمجھوں اتنے قرآن کے الفاظ کی طرح اشعار کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟

میرے حضرت قدس سرہ کو کئی ماہ کے بعد اس قصہ کی خبر ہوئی تو حضرت نے فرمایا، تو نے مجھ سے نہ کہا، شاطبی تو تجھے سمجھا کے میں پڑھاتا، قاری صاحب کی شاگردی تو اسی دن ختم ہوگئی تھی، لیکن ان کی شفقت و محبت اب تک بھی رہی جب کبھی وہاں حاضری ہوئی تو وہ بہت فخر سے فرماتے کہ یہ میرے شاگرد رشید ہیں ان کی عربی تالیف "**تحفة الإخوان في بيان أحكام تجويد القرآن**" کا ان کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو بار بار طبع ہوا، اور انہیں کے حکم سے طلبہ کے لئے "شرح عربی جزری" کی لکھی تھی۔

ارشاد فرمایا: ایک زمانہ میں مدرسہ قدیم کی مسجد میں میں نائب امام تھا، قاری محمد حسین اجراڑوی نے ایک مرتبہ میرے حضرت سے فرمایا "مولوی زکریا" کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میری تو ہوجاتی ہے تمہاری نہ ہوتی ہو تو اعادہ کر لو یعنی حضرت اقدس مدفیوضہم قرآن تیز پڑھتے تھے۔

انیسویں مجلس

(۱۹؍رمضان المبارک)

خانقاہوں کی بربادی پر اظہارِ افسوس اور مدارس میں اسٹرائک کا سبب:

ارشاد فرمایا: میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے کہ ہماری خانقاہیں برباد ہورہی ہیں، نہ رائے پور رہا، نہ تھانہ بھون نہ گنگوہ رہا، خاص طور سے میرے مخاطب (مولانا) علی میاں اور مولانا منظور صاحب ہیں (جو اس مجلس میں حاضر تھے) بتاؤ ان کی آبادی کی کیا صورت ہو؟ ہم نے سن رکھا ہے اور خوب سنا ہے یہ میں آخری وصیت کر کے جارہا ہوں، اور اس کو اپنے سبقوں میں بار بار بھی کہا ہے کہ دنیا کے لئے ہماری جو کوشش ہورہی ہے اگر اس میں ناکامی ہو تو ضائع، مگر دین کے لئے اگر ہماری کوشش ناکام ہو تو بھی کارآمد، کیوں کہ ہم نے کلمۂ خیر کہا۔

آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہو جائیں تو قیامت آجائے گی، یہی حال مدرسوں کی بقا کا ہے، اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے، اثر کئے بغیر نہیں رہتا، ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا، اللہ اللہ

کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ، اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا، اللہ کا ذکر حوادث وفتن میں سدِ سکندری ہے، پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی ذکر کو رواج دو، ذکر خواہ ریا ہی سے کرو، نفلیں خواہ ریا ہی سے پڑھو، مگر اس پر عمل ضرور کرو، میں نے ریا کو اٹھا دیا، سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے ''**تعلمنا الدين لغير الله فأبى أن يكون إلا لله**''، علم کو ہم نے غیر اللہ کے لئے سیکھا، مگر علم نے انکار کر دیا، الا یہ کہ اللہ کے لئے ہوگیا، میں نے اس کی طرف مولانا قاری طیب صاحب کو بار بار خطوط میں توجہ دلائی ہے، اور نظام الدین والوں سے بھی کہتا رہا ہوں، اب نظام الدین میں ذاکرین کی جماعت منتخب ہوئی ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے عرض کیا، انشاء اللہ یہ سلسلہ چلے گا، اس پر حضرت نے فرمایا، آدمی بناؤ۔

ارشاد فرمایا: مولوی منفعت علی صاحب جو میرے ابا جان کے شاگرد تھے، بعد میں حضرت تھانویؒ سے ان کا تعلق ہوگیا تھا، انہوں نے مجھے ایک خط لکھا ''کہ تیری لیگ و کانگریس کے بارے میں کیا رائے ہے'' میں نے جواب دیا کہ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، البتہ اپنے دونوں بزرگوں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ کو آفتاب و ماہتاب سمجھتا ہوں، ان دونوں میں جس کا اتباع کرو مفید ہوگا، ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ و حضرت نانوتویؒ نے جو دین قائم کیا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لو، اب قاسمؒ و رشیدؒ پیدا ہونے سے رہے، بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ، اللہ کا نام کثرت سے زبان پر رکھو، انشاء اللہ دل و دماغ میں بھی آجائے گا، ہمارے اکابر طالب علموں کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ اس مسئلے میں سخت تھے کیوں کہ حضرت کے دور میں

طالب علم واقعتاً طالب علم تھے، طلبہ پڑھنے میں مشغول رہتے تھے، بعد میں اس میں تساہلی برتی گئی، اس دور کے لحاظ سے یہی مناسب تھا، شاید اس کے ذریعہ لائن پر لگ جائیں، ورنہ اخبار بینی میں مشغول ہوکر اوقات ضائع کریں گے۔

اِمسال اور گذشتہ سال کے رمضان میں موازنہ:

ارشاد فرمایا: نصف سے زائد رمضان گذر چکا ہے کچھ کرلو، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کو خاص طور سے مخاطب کر کے فرمایا: میرا ہر سال رمضان میں ایک سوال ہوا کرتا ہے امسال پھر یہ سوال ہے کہ گذشتہ رمضان اور اس رمضان میں کیا فرق ہے؟ بھائی ہم نے تو اپنے میں تنزل ہی پایا، سوال پر طبیعت آمادہ نہیں تھی مجھے اپنا تنہائی کا رمضان یاد آتا ہے۔

ارشاد فرمایا: مولویو! تم نے بڑوں کو دیکھا ہے، بھائی ان بڑوں اور اللہ والوں کو دیکھنے والوں میں بھی اثر ہے، مولانا حبیب الرحمٰن رئیس الاحرار کو بڑے حضرت رائے پوریؒ سے وصال کے قریب تعلق ہوا تھا، پھر اس چیز نے ان کو بالآخر کھینچ لیا، مگر افسوس ان بزرگوں سے اب میدان خالی ہے، اب بھی ان بزرگوں کے دیکھنے والے موجود ہیں، اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالیں اور کام کو آگے بڑھائیں تو کام آگے بڑھ سکتا ہے، ان اکابر کی صورتوں کو دیکھ کر دل میں ایک نور آتا تھا، وہ حضرات ایسے بھولے بھالے چال ڈھال ایسی کہ ان کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھتا کہ یہ کچھ ہیں، میں تمہیں ہر سال ٹوکتا ہوں غنیمت سمجھو، پھر کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ملے گا۔

ارشاد فرمایا: اپنے اکابر کی صورتیں گلدستہ کی طرح میرے سامنے ہیں، حضرت تھانویؒ کی صورت، حضرت مدنیؒ کی صورت، حضرت مدنیؒ جس وقت خوشبو لگا

کر عمامہ باندھ کر منبر پر خطبہ کے لئے تشریف لے جاتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔

تنہائی کا رونا:

فرمایا: میں نے اپنے ابا جان اور حضرت مدنیؒ کو اخیر شب میں ہچکیاں مار کر روتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت مدنیؒ و حضرت رائے پوریؒ کا شروع میں معمول تھا کہ رات میں تنہا آرام فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کے ساتھ آبھے کا سفر ہوا، رات میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ان کی چارپائی میرے پاس رہے گی اور خدام دور رہیں گے، اس پر کسی نے اعتراض کیا تو میں نے کہا کہ حضرت کے ساتھ میرے رہنے میں حضرت کو الجھن محسوس نہ ہوگی، ان اکابر کا یہ حال تھا۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کے ساتھ بے تکلفی بھی رکھی تھی، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ اخیر شب میں ہچکیاں مار کر رو رہے تھے، جب حضرتؒ اس سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا تین اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے، اگر چوتھی کا ہو جائے گا تو پھر پانچویں آجائے گی، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی چار پانچ سال میں مناسبت ہوتی ہے پھر وہ چل بستی ہے۔

مرد مومن موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے:

ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنی صورتوں کو ایسی بناؤ کہ لوگ دیکھ کر محبت کریں۔

یاد داری کہ وقت زادن تو   ہمہ خنداں بدند و تو گریاں

ہمچناں ذی وقت مردن تو ہمہ گریاں شدند وتو خنداں

’’اس وقت کو یاد کرو، کہ تمہاری ولادت کے وقت سب ہنس رہے تھے اور تو رورہا تھا، اسی طرح تمہاری موت کے وقت یہ ہونا چاہئے کہ لوگ رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو‘‘ ہنستا ہوا وہی جائے گا جس نے کہ وہاں کے لئے کچھ تیاری کر رکھی ہو، ایک بزرگ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا اور جنت اور اس کی حوروں کے مناظر سامنے آئے تو انہوں نے ایک شعر پڑھا ؂

إن کـان منـزلتـی فـی الحـب عندکم

مـا قـد رأیـت فـقـد ضیّـعـت أیـامـی

’’اگر محبت میں میرا مقام وہی ہے جو میں نے دیکھا، تو میں نے اپنے ایام زندگی کو ضائع کیا‘‘ کہتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں غائب ہوگئیں، اور ایک اور چیز سامنے آئی، اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسے اور چل دیئے۔

میں نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو دیکھا، کہ جب ان کا آخری وقت آیا، تو مجھ سے چلا کر فرمایا کہ مجھے جلدی اٹھا کر بیٹھا دو، حضورؐ تشریف لا رہے ہیں، اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی، میرے دادا مولانا اسماعیل صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو نظام الدین سے دلی تک ساڑھے تین میل کا ہجوم لگ گیا تھا، ایک صاحب کشف بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسماعیل صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو، میں بہت شرمندہ ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ کے انتظار فرما رہے ہیں۔

نشانِ مرد مومن با تو گویم

چوں مرگ آیدش تبسم بر لب اوست

بیسویں مجلس

(۲۰؍رمضان المبارک)

کارخودکن کاربگذرازگفتار:

ارشادفرمایا: ریا کی تو قرآن وحدیث میں سخت مذمت وارد ہے، ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے تین اشخاص کوجہنم میں ڈالا جائے گا ان میں ایک ریاکار عالم بھی ہوگا، جب وہ اپنے کارنامے بتلائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے مخلوق کے واسطے کیا کیا تھا، مگراس کے ساتھ میرے ذہن میں ہے کہ حالت اضطرار میں شراب پینے کی سدرمق تک کی شریعت نے اجازت دی ہے، میری رائے یہ ہے کہ نفلوں کا گھروں میں پڑھنا اولیٰ ہے مگرموجودہ دورمیں مساجد میں پڑھنا اولیٰ ہے، وہ زمانہ گیا جب نماز آدمی کواپنی طرف کھینچ لیتی تھی، اب تو گھرپر جا کر پڑھنا بہت مشکل ہوتا ہے، وہ زمانہ گیا، جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز پڑھ رہے تھےان کی مسجد کے منارہ پرمنجنیق چلائی گئی، وہ منارہ گرگیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعدفرمایا، یہ مٹی کہاں سے آگئی، اس لئےعمل کرو، خواہ ریا ہی سے کرو، انشاء اللہ عمل کی برکت سے اخلاص پیدا ہوجائے گا، موجودہ دورمیں اگرمقتدیٰ لوگ اپنے گھروں میں نوافل پڑھیں گے تو

یہ مقتدی ایک بھی نہیں پڑھیں گے، ہم لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم مضطر ہیں، ایک صاحب نے عرض کیا، اس طرح مبتدعین کا اعتراض بھی ختم ہو جائے گا کہ دیوبندی لوگ سنتیں نہیں پڑھتے، ان کو حضورؐ کی سنت سے محبت نہیں؟ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا: ان کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے یہ تو کسی طرح چین نہیں لینے دیں گے۔

ایک تبلیغی جماعت کہیں گئی، وہاں لوگوں نے اعتراض کیا کہ ''یہ لوگ سلام نہیں پڑھتے'' جب جماعت والوں نے سلام پڑھ دیا تو کہنے لگے کہ دکھلاوے کے واسطے پڑھا ہے، دل سے نہیں پڑھا، اس طرح کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

ایک بزرگ تھے، ان کی بیوی ان کا کہنا نہیں مانتی تھیں، بزرگوں کی بیویاں اکثر اسی طرح کی ہوتی ہیں، کیوں کہ انہیں ہر وقت حقوق کی ادائیگی کی فکر رہتی ہے، انہوں نے اپنی بیوی کو اپنی کرامت دکھانی چاہی، چنانچہ اپنے مکان کے اوپر پرواز کی، ان کی بیوی نے بھی فضا میں اڑتے ہوئے دیکھا مگر جب یہ گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آج میں نے ایک بزرگ کو دیکھا ہے جو چھت کے اوپر اڑ رہے تھے، تیرے میں کیا کمال ہے، انہوں نے کہا کہ وہ تو میں ہی تھا، بیوی نے کہا جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے، بھائی یہ بدعتی تو ایسے ہیں کہ کبھی مان کر نہیں دیں گے۔

ایک مشہور قصہ ہے، باپ بیٹے ایک ٹٹو لے کر جا رہے تھے، باپ سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل چلنے لگا، کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ کیسا بے رحم باپ ہے خود سوار ہے اور پھول سا بیٹا پیدل چل رہا ہے، باپ اتر گیا اور بیٹے کو سوار کر دیا، کچھ دور آگے

پہونچے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے، انہوں نے کہا، یہ کیسا ظلم ہے؟ بیٹا سوار اور باپ پیدل، اس کے بعد دونوں سوار ہوگئے، آگے چلے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے، انہوں نے کہا کہ ظلم کی انتہا ہوگئی، یہ سن کر دونوں اتر کر پیدل چلنے لگے، کچھ دور آگے چلے تو وہاں ایک مجمع نے انہیں دیکھا، تو کہنا شروع کیا کہ حماقت کی انتہا ہوگئی کہ سواری ہوتے ہوئے دونوں پیدل چل رہے ہیں، اس پر باپ نے کہا کہ یہ دنیا ہے ہر صورت میں تنقید کرنے والے ملیں گے۔

بھائی کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے، اللہ کی رضا کے لئے کام کرتے رہنا چاہئے۔

طول لباس کو مشیخت سے خاص مناسبت ہے:

ارشاد فرمایا: غیروں کے لباس، وضع قطع سے احتراز کرنا چاہئے میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، مسلمان، ہندو، عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیخت کے لئے طول لباس کو کوئی خاص تعلق ہے، البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہئے، میں دس پندرہ برس پہلے جب تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا تو میرا فتویٰ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

اپنے شیخ کے حکم سے سرتابی حرمان نصیبی کا سبب ہے:

ارشاد فرمایا: بڑے حضرت اقدس رائے پوریؒ ایک سال حج کے لئے جا رہے تھے تو اپنے خلفاء سے فرمایا، جب تصوف کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو

حضرت سہارنپوریؒ سے رجوع کرنا، اور جب سیاست میں پوچھنا ہوتو حضرت شیخ الہندؒ سے، اسی طرح میرے حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے ایک سفرحج کے موقع پر اپنے خلفاء کو اپنی عدم موجودگی میں بڑے حضرت رائے پوریؒ کے حوالہ کیا تھا، چنانچہ ایک صاحب نے دوسرے شیخ کی طرف رجوع کیا، حضرت جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ''یہ کھو گئے''۔

حضرت تھانویؒ کا بڑے حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں ارشاد:

فرمایا: حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند و حضرت سہارنپوریؒ کی گود میں بیٹھ جائیں تو کوئی خطرہ نہیں، مگر حضرت رائے پوریؒ کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا ہے اس لئے کہ حضرت کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔

اکیسویں مجلس

(۲۱؍رمضان المبارک)

وداع رمضان

محترم مولانا محمد ثانی صاحب مدیر ''رضوان'' کی یہ نظم مجلس میں پڑھ کر سنائی گئی، مولانا معین الدین صاحب نے بڑے سوز و درد سے پڑھی، مجمع پر عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

رحمتِ حق آئی قسمت ور چلے ۔۔۔ سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے
نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب ۔۔۔ زاہدانِ با صفا بڑھ کر چلے
وا ہوئے در بزم رحمت کے تمام ۔۔۔ اہل درد و سوز کھنچ کھنچ کر چلے
گلشنِ رحمت کی ہر دم سیر کی ۔۔۔ اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے
رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب ۔۔۔ جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
''شمع کی مانند اس کی بزم میں ۔۔۔ چشم تر آئے تھے دامن تر چلے''
قدر نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے ۔۔۔ بوجھ عصیاں کا لئے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی وائے غم ۔۔۔ کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

نور سمٹا چاندنی پھیکی پڑی　　سر چھپانے کومہ و اختر چلے
ماہ رحمت کے شب و روز سحر　　ہر طرف تم نور برسا کر چلے
تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی　　تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہ رمضاں الفراق　　زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لئے ہر سال تو　　تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا اِدھر　　بہر الطاف اے کرم گستر چلے
ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب　　اور دورِ بادۂ کوثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی　　جانے کب در بند ساقی کر چلے

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
''جب تلک بس چل سکے ساغر چلے''

ذوق وشوق ہوتو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے:

ارشاد فرمایا: کہ جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے، ہم نے سنا ہے کہ سنیما والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہ کر صبح کر دیتے ہیں، اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، رات بھر تہجد پڑھتے تھے، تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں، اصل ذوق وشوق ہے، آج سے اخیر عشرہ شروع ہو رہا ہے، اگلے رمضان کی خبر نہیں، ملتا ہے یا نہیں، اس لئے پچھلے دو عشرے کی کوتاہی دور کر لو۔

سماع وعُرس وغیرہ کی حقیقت:

ارشاد فرمایا: سماع وعرس وغیرہ کی ابتداء صحیح تھی، مگر بعد میں اس میں بہت سی

بدعات گھس آئیں، اس لئے علماء ومفتیوں کو بدعت و ناجائز کہنا پڑا، عرس ابتداء میں نظام الاوقات کی طرح ایک چیز تھی، جیسے دارالعلوم دیوبند و مدرسہ مظاہر علوم دونوں جگہوں پر بخاری شریف متعین گھنٹے میں پڑھائی جاتی ہے، سہولت کے پیش نظر نظام الاوقات بنایا گیا، یہ بدعت نہیں ہے، میں نے حضرت گنگوہیؒ کے دور میں دیکھا کہ وہاں روزِ عید تھی کبھی حضرت سہارنپوریؒ کی آمد ہوتی، کبھی حضرت شیخ الہندؒ کی اور کبھی حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری ہوتی، خدام زیارت کرتے، عرس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلفاء وارادتمند سال میں ایک دن تعارف و ملاقات وحلقہ اثر بڑھانے کے لئے جمع ہوتے تھے، اور اپنے شیخ کی تاریخ وفات ہر ایک کو یاد رہتی ہے، میرے چچا جان کی وفات بروز چہارشنبہ صبح کی نماز کے پہلے ہوئی تھی، ان کے سب مریدوں کو یہ یاد ہے، بہرحال ابتداء میں یہ چیز اچھی تھی، مگر بالآخر رسومات نے اس کو بدعت بنادیا۔

اسی طرح سماع بھی اکثر مشائخ چشتیہ کا سننا ثابت ہے، مگر اس کے کچھ شرائط ہیں جن کو امام غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' میں تحریر فرمایا ہے، اس میں بہت سی خرافات پیدا ہوگئیں، اس لئے حرام کہا گیا، دلی کا ایک گویّا تھا وہ حج کو گیا وہاں پر ایک بدوی نے حدی خوانی شروع کردی، اس کا اونٹ بھاگا، اور یہ گر گیا، کہنے لگا، اللہ کے رسولؐ پر قربان، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضورؐ نے اسی لئے گانے کو حرام قرار دیا، اگر ہمارا گانا سنتے تو منع نہ فرماتے، ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ کوئی اچھا قصیدہ سنتے تو جھوم اٹھتے ''تذکرۃ الرشید'' میں ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو چکی کے پیسنے کی آواز پر وجد آ گیا۔

بڑوں پر نکیر کرنے میں جلدی نہ کرو، معتقد ہونا اور بات ہے لیکن نکیر و مخالفت نہ کرو، کیوں کہ اگر وہ اللہ کے مقرب ہیں تو ان کی مخالفت کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے "**ومن عادیٰ لی ولیّا فقد اٰذنتهٗ بالحرب الخ**"تنقید کا حق ان کے معاصر کو ہے، بے تحقیق حکم نہ لگاؤ، باریک فرق ہے ؎

کسا نیکہ یزداں پرستی کنند

بآواز دولاب مستی کنند

یزداں پرست اچھی آواز کے محتاج نہیں ہوتے، وہ ادا پر مست ہو جاتے ہیں، جونسی ادا پسند آجائے، اور دل کو بھا جائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ بھی سماع [1] کے قائل تھے، ان کے سماع کی کیفیت یہ تھی کہ امیر خسروؒ کچھ اشعار سناتے اس پر سلطان جیؒ کو ہر چند منٹ پر کیفیت پیدا ہوتی اور ختم ہو جاتی، کبھی امیر خسروؒ کے ساتھ مل کر چند آدمی پڑھتے، قاضی ضیاء الدین صاحبؒ جو اس زمانے میں دلی کے مفتی اعظم تھے ان کو جب اس کا علم ہوا تو اس پر شدت سے نکیر کی، حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا میں معذور ہوں، سماع بعض امراض کا علاج ہے، جب قاضی صاحبؒ کی مخالفت بڑھی تو سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ سے اجازت دلوا دوں کہ میں معذور ہوں، تب تو مانئے گا، قاضی جیؒ نے کہا، پھر ہمیں کیا ضرورت؟ چنانچہ خواب میں حضورؐ نے آکر فرمایا کہ یہ معذور ہیں، قاضی

---

[1] حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع کی چار شرطیں تھیں (۱) سامع از اہل ہوا و شہوت نباشد (۲) مسمع مرد تمام باشد زن وکودک نباشد (۳) مسموع ہزل وفحش نباشد (۴) آلۂ سماع مثل چنگ ورباب درمیاں نہ باشد۔ (انفاس غیبی ص ۶۶)

صاحبؒ نے خواب ہی میں عرض کیا کہ حضورؐ ظاہر شریعت پر عمل کروں یا خواب پر، صبح ہوئی تو سلطان جیؒ نے پوچھا کہ اب تو پیچھا چھوڑو گے، قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کی طرف سے جواب نہیں ملا، (سکوت کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا چاہئے) جب قاضی صاحب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو سلطان جیؒ عیادت کے لے تشریف لائے، قاضی صاحبؒ کے مکان پر آکر دستک دی، خادم دروازہ پر آیا اور دریافت کیا کہ کون؟ سلطان جیؒ نے نام بتلایا، خادم نے جاکر خبر دی تو قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ آخر عمر میں کسی بدعتی کا منھ نہیں دیکھنا چاہتا، یہ اخلاص کی بات تھی، سلطان جیؒ نے کہا کہ ایسا گستاخ بدعتی نہیں، بدعتی اپنے بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے، یہ خبر جب قاضی صاحبؒ کو ملی تو انہوں نے اپنا عمامہ بھیجا کہ اس پر قدم مبارک رکھ کر آئیں، سلطان جیؒ عمامہ سر پر رکھے ہوئے قاضی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو قاضی صاحبؒ نے شیخ المشائخ سلطان جیؒ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(باضافہ حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ)

بے تحقیق حکم لگانا ناجائز ہے:

ارشاد فرمایا: کہ بے تحقیق کسی پر حکم نہ لگاؤ، اگر تمہیں کسی کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سارق ہے تو اس کو اپنے کمرے میں نہ جانے دو، مگر بلا تحقیق حکم نہ لگاؤ، اور نہ اسے سارق کہو، اس کا خاص دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔

''فضائل درود'' کی ایک حکایت پر ایک اہم تنبیہ:

''فضائل درود'' ہر سال حضرت کی مجلس میں ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے، البتہ

امسال اس میں کے لکھے ہوئے درود شریف ہر شب جمعہ میں پڑھے جاتے تھے، اور کبھی اس کے ساتھ ملا جامیؒ وحضرت نانوتویؒ کی نعت بھی پڑھی گئی، آج عشاء کے بعد کی مجلس میں ''فضائل درود'' کی ایک حکایت ص: ۱۱۷ پڑھی گئی، اس میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے پر مغفرت کا ذکر آیا تھا، حضرت نے ارشاد فرمایا: اس طرح کی باتیں وقتی ہوا کرتی ہیں، مالک کو جس ادا پر پیار آ جائے بخش سکتا ہے، بعض دفعہ منھ سے کوئی جملہ ایسے اخلاص سے نکل جاتا ہے جو اللہ کو پسند آ جاتا ہے، اس پر معاملہ فرما دیتا ہے، اسی طرح سے اس حکایت میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والی بات ہے، معلوم نہیں کس اخلاص سے بلند آواز ہوئی تھی، جو اللہ شانہٗ کو پسند آ گئی، اور ان کی مغفرت ہوگئی، اس کو طریقہ وعادت نہ بنانا چاہئے، ویسے درود شریف جتنا وقت میسر ہو خوب پڑھتے رہو۔

فضائل درود میں ملا جامی کی نعت پڑھی جا رہی تھی، اس میں ''زمہجوراں چرا غافل نشینی'' آیا ہے، محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ نے اس میں ترمیم فرمائی ''زمہجوراں چرا فارغ نشینی''۔

دو سال سے عشاء کے بعد کی مجلس میں درود وتحیات روزانہ سنانے کا معمول بن گیا ہے۔

بائیسویں مجلس

(۲۲؍رمضان المبارک)

ذاکرین ومجاہدین کے لئے اکمال وارشاد کا مطالعہ ضروری ہے:

ارشاد فرمایا: ’’ارشاد الملوک‘‘ و’’امداد السلوک‘‘ یہ دونوں کتابیں ذکر کرنے والوں کے لئے بالخصوص جن کو میں نے بیعت کی اجازت دی ہے بہت غور سے پڑھنا چاہئے، میں نے ’’اکمال‘‘ کے شروع میں لکھ بھی دیا ہے، ’’حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ بھی اپنے خاص لوگوں کو ’امداد السلوک‘ کے مطالعہ کی تاکید کرتے تھے‘‘ اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کے لئے بہت مفید ہے، حضرت مدنیؒ ’’امداد السلوک‘‘ اور ’’الاعتدال‘‘ کو سفر میں اپنے بکس میں رکھتے تھے، جو باتیں تم مشائخ سے اور مجھ سے سننا چاہتے ہو وہ ان دونوں میں آ گئی ہیں، اس لئے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسالہ کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں، اور ذاکرین کو ’’ارشاد الملوک‘‘ و’’اکمال الشیم‘‘ کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھنا چاہئے اور جن احباب کو اس ناکارہ نے بیعت کی اجازت دی ہے، ان کے لئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی ’’تربیت السالک‘‘ اور حضرت گنگوہیؒ کے مکاتیب جو ’’مکاتیب رشید‘‘ کے نام سے مطبوع ہیں مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

یہاں بامقصد آنے سے خوشی ہوتی ہے:

ارشاد فرمایا: یونس سلیم صاحب (جو اس وقت نائب وزیر ریلوے تھے) کے یہاں آنے سے خوشی ہوئی، اس وجہ سے نہیں کہ وزیر ہیں، بلکہ وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر کچھ کرنے کے لئے یہاں آئے تھے، ایک تجربہ کی بات ہے کہ اپنے ماحول میں آدمی سے کام نہیں ہوتا، یہاں رمضان میں کچھ کرنے کے لئے اگر کوئی آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے، کیوں کہ اپنے گھر پر کام نہیں ہوتا، اعتکاف بھی دشوار ہے ضروریات لگی ہوئی ہیں، کئی دن ہوئے بھائی یونس سلیم صاحب کا پیام آیا تھا کہ وہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں جو وقت ملے گا اس میں ملاقات کریں گے، میں نے سمجھا کہ دستور کے مطابق ۱۰، ۵ منٹ کے لئے آئیں گے، مگر معلوم ہوا کہ اذان ظہر سے آدھ گھنٹہ پہلے آ گئے، ظہر کی سنتوں سے فراغت کے بعد میں نے ملاقات کے لئے انہیں بلایا، میں نے کہا کہ چمگادڑوں کی مہمانی ہے آؤ اور لٹک جاؤ، آپ چاہیں تو ظہر سے عصر تک ذاکرین کے مجمع میں بوریا پر بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بوریا نشینی کو ترجیح:

ارشاد فرمایا: کہ دلی میں ایک مرزا ثریا جاہ رہتے تھے ہمارے اکابر سے ان کے تعلقات تھے، انہوں نے میرے دادا سے درخواست کی تھی ''میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ کے صاحبزادے مولوی یحیٰ سے کرنا چاہتا ہوں''، میرے دادا صاحب نے کہا کہ ہم فقراء کو آپ سے کیا تعلق؟ انہوں نے کہا کہ ''مولوی یحیٰ کی پرورش میرے ذمے رہے گی''، مرزا صاحب کی صاحبزادی قیصر جہاں سے بھی والد صاحب واقف تھے، بہت حسین وجمیل تھی، جب دادا صاحب سے مرزا صاحب نے بہت اصرار کیا تو

انہوں نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ سے پوچھ لوں، حالانکہ دادا صاحب جانتے تھے کہ انکار کردیں گے، جب والد صاحبؒ سے دریافت کیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا، ''ان سے نکاح کے بعد بوریے پر بیٹھنا مشکل ہے'' چنانچہ نکاح نہیں ہوا، مگر وہ بیچاری میرے بڑوں کی اور میری بہت محسن رہیں، چنانچہ بچپن میں جب نظام الدین جاتا، تو مجھ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرتیں، انہوں نے میرے ابا جان سے کہلوایا کہ آپ نے مجھ سے تو نکاح نہیں کیا، اب میں مولوی زکریا سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتی ہوں، اور یہ میری انتہائی آرزو ہے، والد صاحب ہنسے اور فرمایا کہ اس سے پوچھ لو، جب مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ میں ان کا پاندان کہاں کہاں اٹھاتا پھروں گا، یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں نے بچپن میں ان کے گھر کا ماحول دیکھا تھا ہمارے خاندان میں تو عورتیں گویا ڈیڑھ خادم ہوا کرتی ہیں، والد صاحبؒ نے میرے اس جواب کو پسند فرمایا، اور فرمایا میرے اور تمہارے جواب میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تمہارے جواب میں تکبر کی بو ٹپکتی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''آپ بیتی ۱'')

یکسوئی کا رمضان:

ارشاد فرمایا: جب سے یہاں بازار لگنے لگا، مجھے اپنا یکسوئی کا رمضان اور گذشتہ سال مدینہ منورہ کا رمضان بہت یاد آرہا ہے، میں نے یہ یکسوئی رائے پور سے لی ہے، بڑے حضرت رائے پوری ۲۹ رشعبان کو سارے خدام سے مصافحہ کر لیتے اور بڑی معصوم ادا میں فرماتے گویا رو رہے ہیں کہ رمضان بعد ملاقات ہوگی، وہاں مجمع یہاں سے زیادہ ہوتا تھا۔

پنجاب کے لوگ کثرت سے آتے تھے، پانچ سو، چھ سو کا مجمع ہوتا تھا حضرت

جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو خدام دور سے زیارت کر لیتے، میرے حضرتؒ کے یہاں مہمان زیادہ نہیں ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ کے یہاں مجمع ہوتا تھا مگر خانقاہ سے کھانے کا نظم صرف خواص کے لئے ہوا کرتا تھا، اور لوگ اپنا اپنا نظم خود کرتے تھے، خانقاہ کا دستور چھپا ہوا تھا، اس میں ایک اصول یہ تھا کہ دو ذاکرین کو مل کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں، کسی کو چائے وغیرہ کی دعوت کرنے کی اجازت نہیں، تا آنکہ اجازت نہ مل جائے، مگر درخواست پر اجازت مل ہی جاتی تھی، اس لئے کہ مل کر کھانے میں وقت ضائع ہوتا، ہمارے بڑے حضرت رائے پوریؒ کے یہاں مہمانوں کے لئے افطاری کا دستور نہیں تھا، اس کا نظم اپنے طور پر لوگ خود کرتے تھے، البتہ کھانے کا اجتماعی نظم حضرت کی طرف سے ہوتا تھا، رائے پور کی دال اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ چوتھائی پیٹ سے زیادہ نہیں کھایا جا سکتا تھا، وہاں حکیم اجمیری [1] کی پھنکی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

فرمایا: اگر کسی کو یہاں کھانا پسند نہ ہو تو بازار سے منگوا کر کھائے مگر ''کسے را با کسے کارے نباشد'' پر عمل پیرا ہونا چاہئے، دیکھو پیارو! آدھا رمضان گذر گیا، اب تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے بات نہ کرو۔

---

[1] بمبئی کے مشہور حکیم اجمیری صاحب کے صاحبزادے محترم حکیم سعد رشید صاحب اجمیری بھی امسال حضرت اقدس کی خدمت میں پورے ماہ مبارک کے اعتکاف کے ارادے سے حاضر ہوئے تھے اور پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا، ان سے حضرت اقدس مدفیوضہم نے پھنکی کا نسخہ لکھنے کے لئے فرمایا تھا، چنانچہ ان کے نسخہ کے مطابق پھنکی تیار کی گئی، کیوں کہ اکثر لوگوں کو معدے کی شکایت تھی حکیم صاحب کا قیام سورت میں ہے اور اس علاقہ کے مشہور طبیب ہیں۔

میرا رمضان تیس برس تک ایسا گذرا ہے کہ صرف عشاء بعد تھوڑی دیر کے لئے ملاقات ہوسکتی تھی، اگرچہ ملاقات عام ہوتی تھی اور بڑے حضرت رائے پوریؒ کے یہاں مخصوص خدام کو عشاء بعد اتنی دیر چپکے بیٹھنے کی اجازت تھی جب تک کہ مولانا عبدالقادر صاحبؒ دو ایک فنجان سادی چائے حضرت کو پلاتے تھے، حضرت ''سبحان اللہ، الحمدللہ'' کہہ کر پیتے تھے، بس مجلس ختم ہو جاتی اور سحری میں حضرت کا ایک خادم عبدالرحیم تھا وہ بہت اصرار کرتا تو ایک دو چمچہ فیرنی کھالیتے، لوگ کہتے ضعف ہو جائے گا، حضرت فرماتے بھائی ضعف نہیں ہوگا، میرا بھی یہی تجربہ ہے۔

اس کے بعد رمضان بھی بخار کی طرح آتا ہے، یہ قصہ اور رمضان میں روزانہ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول بیان فرمایا، جن کو اس سے پہلے نقل کیا جاچکا ہے۔

دارجدید کی مسجد میں اعتکاف کا آغاز:

ارشاد فرمایا: میرے دارِ جدید میں اعتکاف کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جس سال ۸۴ھ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا انتقال ہوا، اسی سال نظام الدین سے ۲۰، ۲۵ آدمی یہاں آئے اور کہا کہ ہم یہاں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں، میں نے سہارنپور میں کبھی اعتکاف نہیں کیا تھا، البتہ نظام الدین میں اس سے پہلے اعتکاف کیا تھا، اعتکاف کے لئے وہاں سہولت تھی، میں نے ان لوگوں سے کہا مدرسہ قدیم کی مسجد میں جگہ نہیں ہے، تم لوگ مہمان خانہ میں رہو، یا سہارنپور کے مرکز میں جاکر اعتکاف کرو، مگر انہوں نے یہاں اعتکاف کرنے پر اصرار کیا، اور یہ طے ہوا کہ باری باری سے اعتکاف کریں گے، اس کے بعد ہم نے دارجدید کی مسجد کو ۱۳۸۵ھ سے اعتکاف کے

لئے طے کیا، اس کے بعد سے یہاں اعتکاف کا سلسلہ چل رہا ہے، (حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے)۔

میرے یہاں آج سے پچیس سال پہلے پہلوان اور مولوی عبداللہ کرسی والے نے رمضان میں آنا شروع کیا تھا، اوران کے علاوہ اور کچھ لوگ آجاتے تھے، ۲۵، ۳۰ آدمیوں کا مجمع ہر سال رہتا تھا۔

شیطان کبھی اہم کام سے ہٹا کر غیر اہم میں مشغول کر دیتا ہے:

ارشاد فرمایا: کبھی کبھی شیطان آدمی کو غیر اہم چیز میں مشغول کر دیتا ہے مطالعہ وتعلیم کے زمانے میں کثرت نوافل میں مشغول ہونا کوئی اچھی چیز نہیں، میرے چچا جان کے یہاں نفلوں کا غلبہ تھا، اور والد صاحب کے یہاں تعلیم کا غلبہ تھا، والد صاحبؒ گنگوہ میں میزان سے مشکوٰۃ تک تنہا مدرس تھے، طلبہ کی تعداد تقریباً اسّی تھی، بیسوں سبق خود پڑھاتے تھے، اوپر کی جماعت کے طلبہ کو نیچے کے اسباق دے رکھے تھے۔

میرے بچپن کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا، اور مغرت کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرہ کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی، ابا جان نے ایک زور سے تھپڑ مارا، اور فرمایا کہ سبق نہیں یاد کیا جاتا، اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی، دوسروں کو بھی پڑھنے نہیں دیتے، مگر جلدی ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی، اور نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے لئے تھا۔

تیئسویں مجلس

(۲۳؍رمضان المبارک)

دعا کے درجات:

ارشاد فرمایا: ''ارشاد الملوک'' آسان ہے، اور ''اکمال الشیم'' ذرا اونچی ہے، اکمال میں ص ۶۵ میں عصر کے بعد دعاء کا جو مضمون ہو رہا تھا کہ ''اپنے مولیٰ سے دعا و سوال کرنا کچھ عمدہ اور معتبر حال نہیں، پسندیدہ حال یہ ہے کہ تجھ کو حسن ادب عطا ہو جائے'' اور اس کے بعد یہ عبارت ہے ''بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی رہنمائی کرتا ہے، اس لئے کہ قسمت ازلی پر بھروسہ ہوتا ہے، اور ذکر کی مشغولی سوال کی مہلت نہیں دیتی'' الخ۔

ارشاد فرمایا: بات تو بالکل ٹھیک ہے، مگر لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں، انہوں نے خود لکھ دیا ہے کہ ''افضل و اعلیٰ حالت یہی ہے کہ ہر امر میں دعا کرتا رہے، جیسے کہ حضورؐ کی شان تھی'' دعا کے تین درجات ہیں، ایک مبتدی کا مانگنا ہے، مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خوب خوب دعا کرتا رہے اور مانگا کرے، ایک متوسط کا درجہ ہے، ہم نے بچپن میں ایک قصہ سنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے جب

آگ میں ڈالا تو انہوں نے فرمایا: "**علمهٗ بحالی حسبی بسؤالی**" حق تعالیٰ کا میری حالت کا علم میرے سوال کے لئے کافی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے یہی مناسب تھا، سب سے اونچا درجہ عاشق کے مانگنے کا ہے، یہ مانگنا معشوق کی خوشامد کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایک لذت ولطف کی شان ہوتی ہے، یہی حضورؐ کی شان تھی، حضورؐ کا عمل سب سے اونچا ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے زمانے میں قحط پڑ گیا، صلوٰۃ الاستسقاء پڑھی گئی، مگر بارش نہیں ہوئی، کسی نے جا کر کہا کہ خلقت مر رہی ہے، آپ بارش کے لئے دعا کریں، انہوں نے کہا کہ "میری بلا سے" ہر شخص کے مختلف حالات ہوتے ہیں، ناز کرنے کے لئے گلاب جیسا منھ چاہئے، ہر ایک کے لئے مناسب نہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بعض دفعہ ایسی باتیں فرماتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے جو باتیں یہ کہتے ہیں اگر ہم کہنے لگیں تو گردن ناپ دی جائے، ہر شخص کا ایک منصب ہوتا ہے، ان بزرگ سے بارش کی دعا کے لئے جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ "میری اللہ میاں سے لڑائی ہو رہی ہے، پھر خدام سے فرمایا: میری لنگی دھوپ میں لے جا کر ڈال دو، وہ اس کو سوکھنے نہیں دیں گے، چنانچہ خدام نے دھوپ میں ڈال دیا، ابر آیا، اور خوب بارش ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں نے کہا تھا کہ سوکھنے نہیں دیں گے، بھائی محبت میں ناز ونخرے سب برمحل ہیں، اگر ہم کہیں تو مفتی کفر کا فتویٰ دیں گے۔

عین الرضا عن کل عیب کلیلة
کما أن عین السخط تبدی المساویا

میرے دوستو! مالک سے مانگو، اور اس طریقہ سے مانگو جیسے حضورؐ نے مانگا

خوشامد میں لذت ہوتی ہے۔

کیمیا گر کا قصہ:

فرمایا: ہم نے ایک قصہ سن رکھا تھا، ایک بادشاہ تھا، اس کو کیمیا کی دھت تھی، ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کو اس کی دھت تھی وہ راستہ چلتے زمین میں جڑی بوٹی کی تحقیق وتفتیش کرتے چلتے ہیں، ان کے ساتھ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے، جس کو کیمیا کی دھت ہو جاتی ہے، اس کو کھانے پینے اور کسی چیز میں مزہ نہیں آتا، بادشاہ نے اپنے درباریوں سے ایسے آدمی کی تلاش کے لئے کہا جو کیمیا کا فن جانتا ہو، ان لوگوں نے ایک سقاء کا پتہ بتایا، اس کو دربار میں حاضر کیا گیا، بادشاہ نے اس سے دریافت کیا، اس نے کہا کہ ''اگر مجھے کیمیا کا فن آتا تو میری یہ خستہ حالت کیوں ہوتی'' بادشاہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی، چنانچہ اس نے اس کو واپس کر دیا، مگر وزراء نے کہا کہ اس کو یہ فن آتا ہے، بادشاہ کو کیمیا کی دھت تو تھی ہی وہ اپنا بھیس بدل کر سقاء کے گھر گیا، اور اس سے ملاقات کی اور کہا کہ میں نے آپ کو ایک مرتبہ فلاں جگہ دیکھا تھا، مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے، اس لئے میں آپ کی خدمت کے لئے آ گیا ہوں، اب سقاء کے ساتھ پانی بھرنے کی خدمت انجام دینے لگا، شام کو اس نے سقاء سے کہا کہ تمہارا پاؤں دبانا چاہتا ہوں، جب پاؤں دبانا شروع کیا تو بڈھے کو مزہ آ گیا، اس نے کہا کہ میں تمہاری مزدوری دو چار آنے دینا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی غرض نہیں، البتہ اس کے اصرار کے بعد اس کے یہاں روٹی کھا لیتا تھا، اس طرح بادشاہ مہینہ دو مہینہ خدمت کرتا رہا، بے غرض خدمت کی بڑی قدر ہوتی ہے، خواہ مدرسہ

کا کام ہو یا اللہ میاں کا، دو تین مہینے کے بعد سقاء نے کہا کہ مجھے کیمیا کا فن آتا ہے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں "**ازھد فیما عند الناس یحبک الناس**" جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے نیاز رہو، تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے، جو کچھ مقدر میں ہے وہی ملے گا، میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کا کچھ نہ لیا جائے، بلکہ دنیا و مافیہا سے جتنا اپنے دل کو ہٹاؤ گے، اتنا ہی دنیا تمہارے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، قرآن وحدیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، اور بزرگوں کے ملفوظات میں بھی ہے، اس بڈھے نے کہا سیکھ لو، مگر اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

سقاء ایک دن اس کو لے کر جنگل میں گیا، اور کہا کہ میں تمہیں کیمیا کا فن سکھانا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، بہر حال باصرار سقاء نے اس کو کیمیا کا فن سکھا دیا، جب یہ سب سیکھ گیا تو وہاں سے بھاگ آیا، اور یہ بڈھا اس کو گالیاں دینے لگا کہ اس نے میرے ساتھ دغا کی، بادشاہ نے دوسرے روز دربار کیا، دو سپاہی بھیج کر اس سقاء کو بلایا، سقاء نے پہچان لیا، بادشاہ نے کہا کہ تم نے مجھے پہلے ہی اس فن کو کیوں نہیں بتایا، اس نے کہا حضور! کیمیا کا نسخہ پاؤں دبا کر ہی آوے" بھائی اگر یہ اللہ کے واسطے ہو تو بہت لذیذ ہے، حضورؐ کا گڑگڑانا عشق ومحبت کا تھا، خواہ وہاں سے ملے یا نہ ملے یہ دعا کی تفصیل ہے۔

ارشاد فرمایا: ان چند راتوں میں اپنے واسطے مانگو، خصوصیت سے امت کے واسطے مانگو، اس میں اپنی غرض بھی پوری ہو جائے گی، ہم نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں، شیطان کے چکر میں پھنس کر اپنے آپ کو ذلیل کیا۔

چوبیسویں مجلس

(۲۴؍رمضان المبارک)

علی گڑھ کے ڈاکٹروں کی آمد:

آج علی گڑھ سے وہ غیر مسلم ڈاکٹر جنہوں نے حضرت اقدس کی آنکھوں کا علاج کیا تھا، اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۱؍بجے دن میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاجی نصیر الدین صاحب کے ہمراہ نیاز مندانہ حاضر ہوئے، دوسرے دن واپس چلے گئے، تراویح ونماز کا منظر دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے، حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک میں قرآن مجید اٹھا کر انہیں بتایا کہ یہ وہ کتاب ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے، صرف نماز تراویح میں ایک مہینہ کے اندر تین مرتبہ یہاں ختم کی جاتی ہے، اس سے وہ لوگ بہت متأثر ہوئے۔

ارشاد فرمایا: آج میں نے اپنے ڈاکٹر کو رمضان المبارک کا منظر دیکھنے کے لئے یہاں بلایا تھا، انہوں نے علی گڑھ میں ہماری بہت خاطر کی، ہم ان امیروں کو کھلا پلا کر کیا بدلہ ادا کر سکتے ہیں۔

ایک مینڈک کسی کنویں میں رہتا تھا، اتفاقاً اس میں ایک سمندر کی مچھلی آ گئی،

اس نے کہا کہ تیرا گھر بہت چھوٹا ہے، مینڈک نے چھلانگ لگائی اور کہا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہو، اس نے کہا کہ وہ تو بہت بڑا ہے اس نے دوبارہ وسہ بارہ چھلانگ لگائی اور ہر بار دوانگل اوپر کو ہو جاتا اور کہتا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہے، مچھلی کہتی کہ وہ تو بہت بڑا ہے، ہم امیروں کی کھانے پینے سے مہمانی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کے یہاں عمدہ سے عمدہ کھانا ہوتا ہے۔

میں نے حاجی نصیرالدین کو لکھا کہ تم اپنے ڈاکٹر کو یہاں لے آؤ میں انہیں ایک ایسی چیز کی سیر کراؤں گا جو انہیں کہیں اور کوئی مسلمان نہیں دکھائے گا، مگر یہ آمد بھائی یونس سلیم صاحب کی طرح ہو، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کا منظر دیکھا، ذکر کا حلقہ دیکھا، بالآخر تراویح کا منظر دیکھا، اس کے بعد یہاں سے متأثر ہو کر واپس گئے۔

فرمایا: علی گڑھ میں ایک نوجوان ڈاکٹر تھا، اس سے ہماری دوستی ہوگئی تھی، وہ روزانہ میرا بلڈ پریشر دیکھا کرتا تھا، اور دیر تک دیکھتا اور باتیں کرتا، اس نے بھی سہارنپور آنے کے لئے کہا تھا، مگر کسی وجہ سے نہیں آسکا، بھائی میں علی گڑھ و مرادآباد والوں کا ممنون ہوں، ڈاکٹر نے بتایا کہ ''آپ کے لئے سب سے بہتر بکرے کا گوشت ہے، اس کے بعد مرغ کا، حاجی عظیم اللہ اور نصیر وغیرہ نے مرغ کے بہت ہدایا کئے، ہم تمہاری خاطریں کھانے سے نہیں کر سکتے، ہماری خاطر یہ ہے کہ یہاں قیام کا ایک دن اور بڑھاؤ، کام اپنے ماحول سے نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔

ایک تنبیہ:

ارشاد فرمایا: دارالعلوم ومظاہر علوم کے طلبہ ڈھڈم والوں کو سن کر دوڑ پڑتے ہیں

ایک بادشاہ تھا، اس نے بلیاں پال رکھی تھیں اور ان کو خوب سدھا رکھا تھا، ایک دن بادشاہ نے بزم مشاعرہ قائم کیا، تو ان بلیوں کو شمعیں دیدیں، جب کوئی شاعر کھڑا ہوتا تو یہ نہایت مؤدب شمعیں لے کر کھڑی رہتیں، ایک صاحب کو دلچسپی سوجھی، انہوں نے لاکر دو چوہے چھوڑ دیئے، چنانچہ وہ ساری بلیاں دوڑ پڑیں، اور ان کا مجمع منتشر ہوگیا، یہی حال ہمارا ہے جب نفس وشیطان سے کشمکش کا معاملہ پیش آتا ہے تو ساری بزرگی ختم ہوجاتی ہے۔

کام انہماک سے ہوتا ہے:

ارشاد فرمایا: ''بذل المجہوذ'' کا جب میں پروف دیکھنے تھانہ بھون جایا کرتا تھا تو وہاں ظہر سے عصر تک حضرت اقدس تھانویؒ کی مجلس ہوتی تھی، اور صبح ۱۰ بجے تک ڈاک لکھایا کرتے تھے، ۸ بجے دن میں تخلیہ کا وقت تھا، وہاں ایک لیٹر بکس تھا، تخلیہ چاہنے والے اس میں پرچہ ڈال دیتے تھے، اور سہ دری میں بیٹھ جاتے تھے، ترتیب سے انہیں بلایا جاتا تھا، اور تخلیہ ہوتا، ان اوقات میں کسی کو سہ دری میں جانے کی اجازت نہیں تھی، جانے پر ڈانٹ پڑجاتی، ایک دن موقع پاکر میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت ظہر سے عصر تک پروف دیکھتا ہوں، یہاں رہ کر بھی حضرت کی مجلس سے غائب رہتا ہوں، اس پر حضرت اقدس نے فرمایا تم تو یہاں نہیں رہتے، مگر میں تم کو دیکھتا رہتا ہوں، اس وقفہ میں کوئی ۲۰، ۲۵ مرتبہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں، اور رشک کرتا ہوں کہ کام اسی طرح انہماک سے ہوتا ہے۔

فرمایا: ''بذل'' کی کتابت کے زمانے میں ایک داروغہ صاحب جو میرے حضرتؒ کی اہلیہ کے عزیز تھے، وہ حضرت کے پاس آئے، لحیم شحیم سوٹیڈ بوٹیڈ تھے،

حضرت کے قریب آ کر بیٹھ گئے، میں نے موقع دیکھ کر شذرات لکھنا شروع کر دیا، ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا، وہ صاحب اٹھنے کے بعد مجھ سے بہت ناراض ہوئے، باہر جا کر بھائی مظہر ناظم کتب خانہ سے جواُن کے قریب رشتہ دار تھے کہا کہ بزرگوں کے پاس بیٹھنے والوں کے اخلاق ایسے خراب ہوا کرتے ہیں، بھائی مظہر نے میری طرف سے صفائی پیش کی کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت مشغول رہتا ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''آپ بیتی''ص ۱۲۹ ج ۲)

یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو:

فرمایا: تم لوگ اللہ اللہ کرتے رہو، مگر یہاں سے جانے کے بعد اکثر لوگ شکایت لکھتے رہتے ہیں کہ وہاں سے آنے کے بعد اب وہ اثرات نہیں رہے لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو، تو وہ اثرات باقی رہیں گے، یہاں پر ماحول کا اثر ہے، معمولات کی پابندی ترقیات کا زینہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ کے یہاں تشریف لے گئے، ملاقات وغیرہ کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے''بیان القرآن'' لکھنے جارہا ہوں، اس وقت میرا یہی معمول ہے، چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے، مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوگیا، میرا بھی صبح کا وقت ایسا ہی ہوتا ہے حضرت رائے پوریؒ، حضرت مدنیؒ اور چچا جان کے علاوہ کسی اور کا آنا گوارہ نہیں تھا، ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ تشریف لائے اور دیر تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا، اچانک سر میں درد ہونے لگا میں مجلس سے اٹھا، حضرتؒ کا کشف مشہور تھا، حضرتؒ نے دریافت فرمایا، کہاں جارہے ہو

میں نے عرض کیا، ابھی تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں، میں اٹھ کر اوپر گیا اور چند سطریں لکھیں تو سر کا درد جاتا رہا، واپس آیا، تو پھر دریافت فرمایا کہ کہاں گئے تھے، میں نے عرض کیا کہ سر میں درد ہو رہا تھا، حضرتؒ نے فرمایا ایسا سبھی کو ہوتا ہے، اپنا معمول پورا کر لیجئے، میری آمد پر جب ایسا ہو تو مطلع کر دیجئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو ایک خط تحریر فرمایا: کہ کبھی اپنے مشائخ سے علیٰحدگی ہو جاتی ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ مشغولیت کی بناء پر ایسا ہو جاتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک آدمی میں تین اشخاص:

ارشاد فرمایا: یہ قصے سنانے کے نہیں ہیں، لیکن اپنے قصے سنانے میں یہی خیال ہے کہ شاید اللہ کے کسی بندے کو نفع پہونچ جائے، صبح کا کام اب ہوتا نہیں، مگر اس وقت اب بھی اگر کوئی آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ پھاڑ کھاؤں۔

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے ایک وکیل صاحب دوست تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے، وہ ایک مرتبہ کاندھلہ آئے، واپسی پر مولوی احتشام نے کہا کہ سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بھی ملاقات کرتے جایئے گا، چنانچہ وہ یہاں صبح کے وقت میں آئے، ملاقات ومصافحہ کے بعد میں نے کہا کہ کہاں سے آتے ہو، انہوں نے کہا کہ کاندھلہ سے، میں نے کہا کہ اس وقت تو میں بات نہیں کر سکتا، ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی، بڑے حضرت رائے پوریؒ کے ایک خلیفہ اللہ بخش صاحب تھے، وہ کہتے تھے کہ مولوی کا دماغ اس وقت خوب چلتا ہے جب دستر خوان ہو کسی اور کا، اور انتظام ہو مولوی کا، میرا ابھی یہی حال ہے، دوپہر کے دستر خوان پر میری

طبیعت خوب چلتی ہے، دوپہر کے کھانے میں میں نے وکیل صاحب کو بلایا، وہ آئے، میں نے ان سے کہا کہ تم وکیل ہو، بتاؤ اگر تم مسلیں دیکھنے میں مشغول ہو، اور کوئی تم سے آکر بات کرنا چاہے تو تم پسند کروگے، بہرحال دسترخوان پر ان سے خوب بے تکلفی رہی، کھانے کے بعد میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب عصر بعد ملاقات ہوگی، عصر بعد کا منظر بھی انہوں نے دیکھا، وہ دوسرے دن واپس میرٹھ گئے، وہاں سے اسی دن انہوں نے مولوی احتشام کو خط لکھا'' کہ آپ نے مجھے ایک ایسے آدمی کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے، جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا، مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے، اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا، مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے، جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے، عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت معلوم ہوتا ہے، انہوں نے لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک آدمی میں مجھے تین آدمی دکھادیئے۔

اوقات کی تعیین:

ارشاد فرمایا: اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو، اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہئے، بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہئے، میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟ ؎

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقرباء　　تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

پکا عہد کرلو کہ معمولات کو کبھی نہیں چھوڑیں گے، یہ ترقیات کا زینہ ہے، ہمارے اکابر کا یہی معمول تھا، حضرت گنگوہیؒ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر کواڑ بند ہو جایا کرتا تھا ؎

پیر من خس است اعتقاد من بس است

پچیسویں مجلس

(۲۵؍رمضان المبارک)

"آج کی مجلس میں اپنی مدرسی کے ابتدائی دوراور سبعہ معلقہ کے سبق کا معرکۃ الآراء قصہ اور علی گڑھ کی ملازمت کی تجویز اور تقسیم جائداد میں بڈھانہ کے سفر کے واقعات سنائے مگر "آپ بیتی" ۲ میں یہ سارے واقعات زیادہ تفصیل سے آچکے ہیں، اس لئے یہاں پر حذف کرتا ہوں، اور ناظرین اس کے لئے آپ بیتی ۲ کا مطالعہ کریں"۔

اپنی جھنجھانہ کی جائداد سے بے تعلقی کا اظہار:

یہ واقعہ "آپ بیتی" میں نہیں آسکا ہے، اس لئے اس کو نقل کرر ہا ہوں۔

ارشاد فرمایا: ہماری ایک بڑی جائداد جھنجھانہ میں تھی، وہاں سے کچھ لوگ سہارنپور آئے، انہوں نے بتایا کہ آپ کی ہمارے یہاں ایک بڑی جائداد ہے جس پر دوسروں کا قبضہ ہے، اس کی ملکیت تقریباً ایک لاکھ ہوگی، ہم لوگ آپ کو تیس ہزار روپئے نقد دینا چاہتے ہیں، اس پر قبضہ کرنا ہمارا کام ہے، آپ ماسٹر محمود صاحب کے والد وغیرہ سے ہمارے حالات کی تحقیق کرلیں، صرف ایک مرتبہ بیع نامہ پر دستخط کے

لئے عدالت جانا ہوگا، مگر میں نے انکار کیا کہ یہ میرے بس کا نہیں، عدالتوں کے قصے طویل ہوتے ہیں، مجھے اس چکر میں پڑنے کی فرصت نہیں، وہ لوگ اصرار کر کے واپس چلے گئے۔

چھبیسویں مجلس

(۲۶؍رمضان المبارک)

’’آج شام کو کھانے کے وقت ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آ گیا تھا جس کی بناء پر اکثر قدیم حضرات اور خدام کھانے سے رہ گئے، اور ان کا بعد میں نظم کیا گیا، حضرت اقدس کو جب معلوم ہوا تو گرانی کا اظہار فرمایا‘‘۔

لالچ بقدر ضرورت و برمحل اچھی چیز ہے ورنہ بری:

ارشاد فرمایا: میں نے ایک قصہ اپنے والد صاحب سے سنا تھا، ایک صاحب بڑے عالم و بزرگ تھے، انہوں نے اللہ جل شانہ سے درخواست کی، اے میرے مالک! اگر تو ایک لالچ کو اٹھا لے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، اسی کے سبب آدمی مارا مارا پھرتا ہے، مختلف شہروں میں تجارتیں کرتا ہے، اور اس کے لئے دعائیں کراتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم خدائی میں کون دخل دینے والے؟ انہوں نے عرض کیا بیشک آپ مالک ہیں، مگر ایک لالچ ختم ہو جائے تو دنیا کے سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں، جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ

میں تم سے تین دن کے لئے اٹھالیتا ہوں، انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ پوری دنیا سے اٹھالیا جائے، مجھے تو آپ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اٹھالینا چاہتا ہوں وہ بزرگ استاد تھے، سبق پڑھا رہے تھے، گھر سے آدمی آیا کہ آج سقاء پانی بھرنے نہیں آیا، انہوں نے ایک طالب علم کو سقاء کے گھر بھیجا، مگر وہ کسی طرح تیار نہ ہوا، اس کے بعد وہ دوسرے سقوں کی خوشامد کرتا رہا، مگر کوئی تیار نہ ہوا، اتنے میں گھر سے آدمی آیا کہ آج بھنگن بھی نہیں آئی، اتنے میں ایک آدمی اور گھر سے آیا کہ بازار میں کوئی دکاندار سامان دینے کے لئے تیار نہیں، اب بہت پریشان ہوئے اور دعا کی اے میرے مالک! ایک دن میں تو بول گیا، تین دن تک بہت مشکل ہے (کیوں کہ کسی کو ان سے لالچ و احتیاج نہیں رہی)۔

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں، وہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، اس لئے ''اکمال الشیم'' میں لالچ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ لالچ نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت اور برمحل ہو، اسی طرح غصہ بری چیز ہے، مگر اپنے محل پر جائز ہے۔

اضافہ: امام رازیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ''ازالہ'' کے لئے نہیں آئے، بلکہ ''امالہ'' کے لئے تشریف لائے ہیں، قرآن مجید نے ''**والکاظمین الغیظ**'' فرمایا اور یہ غصہ کو پی جانے والے ہیں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں ''**والفاقدین الغیظ**'' نہیں کہا گیا کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا، بلکہ مومنین کی شان یہ بتائی گئی کہ غصہ کی موجودگی کے باوجود وہ اس کو ضبط کرتے ہیں اور محل پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔

شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی — بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ — جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

موسمی پھل اپنے موسم میں نقصان دِہ نہیں:

فرمایا: حافظ ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں لکھا ہے کہ ''جو چیز جس موسم میں پیدا ہوتی ہے، وہ اس میں نقصان دہ نہیں ہوتی''، میری بھی یہی رائے ہے کسی موسمی چیز پر تنقید کرنا گویا تخلیق پر تنقید ہے، مالک کے ہر کام میں حکمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو، البتہ غلط استعمال سے وہ غلط شمار کی جائے گی۔

موت کا مراقبہ:

میرے دوستو! دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے، ہر چیز میں اختلاف ہے مگر مرنے میں کوئی اختلاف نہیں، اس پر ہمارا ایمان ہے مگر جو زندگی دائمی ہے اس کے لئے کام کرنے کی ہمیں فرصت نہیں، روٹی کے لئے وقت نکل آتا ہے مگر ذکر کے لئے وقت نہیں نکلتا، ہندوستان و پاکستان کی تقسیم نے ہمیں سمجھا دیا کہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں، حج کے سلسلہ میں مشائخ نے لکھا ہے کہ اس میں پورا نقشہ موت کا ہے، کپڑے اتار کر ایک لنگی و چادر پہننی پڑتی ہے، حاجی کو کوئی اسٹیشن تک پہونچانے جاتا ہے، کوئی بمبئ تک پہونچا کر واپس چلا آتا ہے، روپئے پیسے، جائداد سب ساتھ چھوڑ دیں گی۔

ارشاد فرمایا: گھنٹہ کی آواز سن کر ایک ندا آئی ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

ہمیں ہر وقت سوچتے رہنا چاہئے کہ عمر ختم ہو رہی ہے، بزرگوں سے ہم نے بھی سنا ہے کہ سوتے وقت ہمیں اس کا محاسبہ کر لینا چاہئے کہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ساتھ جانے والی ہیں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کو یہاں چھوڑ کر جانا ہے، موت کو خوب یاد کرو، حدیث میں بھی آیا ہے ''**اذکروا ھا ذم اللذّات**''.

ایک جنازہ جا رہا تھا ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے انہوں نے فرمایا ''تیرا'' اس کو تعجب ہوا، تو فرمایا تیرا نہیں تو میرا ہی ہے، بیماری موت یہ ساری چیزیں عبرت کے لئے ہیں، ہم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں دوسروں کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں ''کتاب الرقاق، کتاب الزہد'' پڑھتے وقت دھیان نہیں کرتے، فقہی بحثیں تو خوب ہوتی ہیں مگر ان کو یونہی اڑا دیتے ہیں، سوتے وقت آدمی کو تھوڑا سا موت کا مراقبہ بھی کر لینا چاہئے۔

ستائیسویں مجلس

(۲۷؍رمضان المبارک)

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں:

ارشاد فرمایا: ایک صاحب تقسیم سے پہلے پٹیالہ میں ملازم تھے اور ہمارے حضرت رائے پوری سے بیعت تھے، انہیں تبلیغ سے بھی جوڑ تھا، ایک مرتبہ ایک شب کے لئے وہ میرے یہاں مہمان ہوئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی ''فضائل صدقات'' دیکھ کر میں نے ملازمت چھوڑ دی، میں نے ان سے کہا کہ اس میں تو کہیں یہ نہیں لکھا ہوا ہے، ہمارے اکابر ملازمت چھوڑواتے نہیں۔

حضرت تھانویؒ کانپور میں ملازم تھے، ان کا خط حضرت گنگوہیؒ کے نام آیا کہ میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں تو حضرت نے منع فرمایا، دوبارہ اس سلسلہ میں پھر خط آیا، تو اس مرتبہ بھی حضرت نے منع فرمایا، میرے والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ جب وہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو کیوں منع فرماتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے لکھ دو، میری رائے منع ہی کی ہے، تیسری مرتبہ خط آیا کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون آ گیا ہوں، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں۔

ہمارے اکابر کبھی یہ رائے نہیں دیتے کہ مسلمان بالقصد اپنے نفس کو توکل مستحب کے امتحان میں ڈالے، ہاں جن اصحاب کی طبائع قوی پاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ مشاق وصعوبات پر صبر کرسکتا ہے اس کو اشارتاً ایماء فرمایا کرتے ہیں کہ اسباب معیشت سے مستغنی ہو کر متوکل بن کر بیٹھ جاؤ۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان نے اسباب کے طور پر بکریاں پال رکھی تھیں اتفاقاً سب مر گئیں، فرمایا ''مقدر کی بات اسباب اختیار کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ راس نہیں آتے''۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین'' میں اپنے اور اپنے والد صاحب کے منامات کو لکھا ہے، بڑی اچھی کتاب ہے، تصوف کے اعتبار سے بھی اور علم کے اعتبار سے بھی، اس میں چالیس منامات ذکر کئے ہیں، ان میں ایک یہ کہ ''ایک مرتبہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک اسباب کی درخواست کی تو آپؐ نے میری طرف ایک توجہ فرمائی، جس سے میرا دل تمام اسباب سے سرد ہو گیا، نہ تجارت، نہ بیوی، نہ اولاد کسی سے کوئی علاقہ نہیں رہا، پھر دوبارہ توجہ ڈالی تو ظاہر اسباب کے ساتھ رہا، اور باطن ان سے الگ ہو گیا۔

میرے پیارو! ملازمت وغیرہ ضرور کرو، حکم ہے، مگر دل اس میں نہ لگاؤ بلکہ تقدیر پر اعتماد کرو، اس صورت میں اگر تنخواہ کم ہوگی، جب بھی پریشانی نہ ہوگی، مالک سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

ارشاد فرمایا: بڑوں کے زمانے میں یہ اخبارات ولغویات نہیں تھیں، اکابر کی سوانح وملفوظات خوب پڑھو، میرے ملفوظات چھپوانے کے قابل نہیں، جب تک کسی

مفتی کو دکھا نہ لو، یہ کتابیں جو یہاں مجلس میں پڑھی جارہی ہیں، ان کو خوب غور سے سنو، بھائی دنیا کمانے سے میں منع نہیں کرتا، مگر موت کا مراقبہ کرتے رہو، ہمارے بڑوں نے یہی نسخہ بتایا ہے، غم امروز کے بجائے غم فردا کرو، بھائی اب دو دن اور باقی رہ گئے ہیں کچھ کرلو۔

کاروبار زندگی میں مشغول رہ کر بھی آدمی ولی بن سکتا ہے:

ارشاد فرمایا: ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں ملا علی قاری نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ حج کو گئے، وہاں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر زاروقطار رو رہا ہے، یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے واصل نہیں تھا، اس کے بعد میں منیٰ گیا، ایام منیٰ تاجروں کی شدید مشغولیت کے ہوتے ہیں، وہاں میں نے ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے ہزاروں کا کپڑا فروخت کیا، جب میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنی اس مشغولیت میں بھی ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں تھا۔

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ میرے حضرت ''بذل'' لکھوا رہے تھے، میرا ذہن کہیں اور تھا فرمایا ''من با تو مشغول وتو با عمرو زید'' میں پانی پانی ہوگیا۔

فرمایا: تقسیم سے پہلے یہاں سہارنپور میں رات میں کثرت سے فقراء آتے تھے، اور عجیب عجیب صدائیں لگاتے تھے، میں اس زمانے میں رمضان میں سویا نہیں کرتا تھا، اب تو معذور ہوں، معلوم نہیں وہ کہاں گئے، ان کی صداؤں میں کبھی بڑی عبرت ونصیحت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

ذکر اگر آداب سے کیا جائے تو رذائل دور ہو جائیں گے:

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ذکر بالجہر افضل ہے یا ذکر بالسر؟ جواب میں ارشاد فرمایا: میرے نزدیک وہی افضل ہے جو میں کراتا ہوں، میری بات یاد رکھو، اندر سے جوڑ لگالو، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں۔

از دروں شو آشنا و از بیروں بے گانہ شو

ہمارے اکابر کے یہاں تو یہی ہے کہ ذکر اگر پورے آداب سے کیا جائے تو سارے رذائل خود بخود نکل جائیں گے، پہلے زمانے میں ایک مدت دراز تک رذائل کو زائل کرنے میں وقت صرف ہوتا تھا، اس کے بعد ذکر بتایا جاتا تھا، مگر حضرت حاجی صاحبؒ اور ہمارے اکابر نے دیکھا کہ اتنی طویل مدت کا صرف کرنا موجودہ دور میں مشکل ہے، اس لئے پہلے ذکر ہی تجویز کرتے تھے، بشرطیکہ ذکر ذکر ہو، ذکر کے بھی درجات ہیں، اسی اعتبار سے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آج تراویح کے بعد حدیث مسلسل ''بالتمر والماء'' کو پڑھ کو لوگوں کو اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع میں چھوہارے تقسیم کئے گئے۔

اٹھائیسویں مجلس

(۲۸ر رمضان المبارک)

سہارنپور کی دینداری:

ارشاد فرمایا: میری نوجوانی میں ایک سیاح کلکتہ سے چلے، قریباً ساٹھ سال ہوئے ہوں گے ان کا سہارنپور بھی اترنا ہوا، انہوں نے اتر کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون شہر ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو انہوں نے کہا کہ یہ نام تو میں نے نہیں سنا تھا مگر اسٹیشن پر چاروں طرف داڑھیاں ہی داڑھیاں نظر آرہی ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ مکہ ہے، لوگوں نے بتایا کہ اس کے چاروں طرف اکابر کی خانقاہیں ہیں، گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند وغیرہ، اس پر یہاں سے جا کر اس نے ایک مضمون لکھا تھا کہ ''میں نے ہندوستان میں بھی ایک مکہ دیکھا ہے'' میرے بچپن میں غیر مسلموں کو بھی رمضان المبارک میں راستے میں کھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ کچہری کے حکام لنچ وغیرہ پردے میں کیا کرتے تھے، اس قدر رمضان کا احترام تھا، مولوی منفعت علی صاحب وکیل تھے اور میرے ابا جان کے شاگرد تھے، اخیر میں مفتی محمود صاحب سے ہدایہ پڑھی تھی، مجھ سے بہت اچھے تعلقات تھے، انہوں نے مجھے ایک زوردار خط لکھا

کہ آپ کا گھر سہارنپور میں سارے باغیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، حضرت مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ سب یہیں ٹھہرتے تھے، وہ زمانہ انگریزوں سے سخت مخالفت کا چل رہا تھا، انہوں نے اپنے خط میں سیاست کے بارے میں میری رائے معلوم کی تھی، میں نے ان کو جواب دیا کہ سیاست تو میں جانتا نہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جس شہر کو لوگ مکہ سمجھتے تھے وہاں طاقت کے زور سے دین مٹایا جارہا ہے اور جہاں اپنی حکومت ہے وہاں اپنے ہاتھوں سے مٹایا جارہا ہے۔

ایک صاحب بنارس سے پیدل حج کے لئے روانہ ہوئے، اور یہ طے کیا کہ ہر چند قدم پر دو رکعت نماز پڑھوں گا، ان کا کراچی تک جانا تو معلوم ہے اس کے بعد کی خبر نہیں، وہ جہاں قیام کرتے، وہاں ان کے اعزاء ملاقات کے لئے آتے رہتے، وہ سہارنپور آکر ٹھہرے تو ان کے ایک عزیز جو ماسٹر تھے، وہ آگرہ سے ملاقات کے لئے آئے، انہوں نے سہارن پور کے کسی حجام سے داڑھی مونڈنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ آج تک تو میں نے کسی کی داڑھی نہیں مونڈی۔

ارشاد فرمایا: مجھ سے کئی حجام بیعت تھے، جنہوں نے داڑھیاں مونڈنا چھوڑ دیا دین اگر پکا ہو جائے تو سب آسان ہے، یہ سکھ اپنی داڑھیاں چھوڑتے ہیں اور اسلام میں تو یہ شعائر میں داخل ہے، سکھوں کے بارے میں ہم نے یہ نہیں سنا کہ ان کے کسی افسر نے داڑھی مونڈی ہو۔

حضرت گنگوہیؒ کا نماز عید کے لئے تشریف لے جانا:

ارشاد فرمایا: میں نے حضرت گنگوہیؒ کے پیچھے عید کی نماز پڑھی ہے حضرتؒ عیدگاہ پالکی پر تشریف لے جاتے، حضرت شیخ الہندؒ بھی پالکی اٹھانے والوں میں ہوتے

حضرت مجھے بھی اپنی پالکی پر بٹھا کر لے جاتے تھے، حضرت کا سفید عمامہ اور چوغا بڑا ہی عجیب معلوم ہوتا، بعضوں پر لباس سجے اور بعضوں پر نہیں، مشائخ پر خوب سجتا تھا، حضرت تھانویؒ کو دیکھا، بڑے حضرت رائے پوریؒ اور چھوٹے حضرت رائے پوریؒ کو دیکھا، جمال اندر کی چیز ہے جو صباحت سے چمکتا ہے صابن پوڈر ملنے سے جمال نہیں آتا۔

حضرت مدنیؒ کے ساتھ اکثر میں نے جمعہ کی نماز پڑھی ہے، جب وہ خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو بہت بھلا معلوم ہوتا، متنبّی کا شعر ہے ؎

حسن الحضارة مجلوب بتطلية وفی البدواة حسن غير مجلوب

''شہر کا حسن بناوٹ کا اور دیہاتی حسن قدرتی ہوتا ہے'' اللہ کا مجھ پر یہ کرم ہے کہ بزرگوں کو اور ان کے آپس کے تعلقات کو خوب دیکھا۔

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ مجددی بھوپالی کی سہارنپور تشریف آوری: ارشاد فرمایا: مولانا عمران خاں صاحب کا بھوپال سے مفصل خط آیا کہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی ضرورت سے سہارنپور آنا چاہتے ہیں، حضرت کے وہاں عزیز واقارب بھی ہیں، اور معتقدین بھی ہیں لیکن حضرت اپنی بعض مصالح کی بنا پر وہاں قیام کا ارادہ نہیں رکھتے، اور مدرسہ میں قیام چاہتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے کا انتظام حضرت خود فرمائیں گے، آدمی اپنا ہوگا، اپنی مرضی سے جو چاہے جب چاہے کھائیں گے، انہوں نے لکھا کہ ''میں آپ کی جانب سے نیابتاً و وکالتاً پیشکش کر چکا ہوں، مگر حضرت نے بغیر اس شرط کے قیام منظور نہیں فرمایا اگر آپ کو یہ شرط منظور نہ ہو تو قیام کا کہیں اور انتظام کیا جائے، میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ

سر آنکھوں پر ضرور تشریف لائیں، لیکن میری طرف سے درخواست ہے کہ اس شرط پر نظر ثانی کی گنجائش ہو تو ضرور فرمالیں، ان کا جواب آیا کہ اس پر نظر ثانی کی بالکل گنجائش نہیں، میں نے لکھا کہ ضرور تشریف لائیں اور جو شرطیں حضرت منظور فرمائیں، اس زمانہ میں مدرسہ کا مہمان خانہ یہ بڑا کمرہ نہیں تھا بلکہ اس کے بالمقابل کے کتب خانہ کا چھوٹا کمرہ مہمان خانہ تھا، جو اَب کتب خانہ کا جزو بن گیا، اس میں حضرت اقدس رائے پوریؒ کا قیام تھا، مولانا عمران خان صاحب کا تار آیا کہ کل حضرت پہونچ رہے ہیں، ان کے اس تار پر مجھے سناٹا سا آ گیا، اس لئے کہ مہمان خانہ کا وہی ایک کمرہ، اور اس میں حضرت رائے پوریؒ کا قیام، حضرت سے یہ کہنا کہ تشریف لے جائیں ایک بہت اہم مہمان آ رہے ہیں، بہت مشکل، اور حضرت شاہؒ کی آمد پر ان سے یہ عرض کرنا کہ آج تو مہمان خانہ خالی نہیں، مدرسہ کی سہ دری میں قیام کریں، کل شام تک خالی ہو جائے گا، اس سے زائد دشوار، لیکن یہ ناکارہ حضرت رائے پوریؒ کے کشف و کرامات کو بارہا دیکھ چکا تھا، حضرت نے اگلے دن صبح کو از خود کہا کہ اجازت ہو تو آج واپسی کا خیال ہے حالانکہ وہ دن حضرت کے قیام کا تھا، تین دن کے ارادے سے تشریف لائے تھے، حضرتؒ کے اس ارشاد پر غیرت کے ساتھ ہنسی آ گئی، اور میں نے کہا کہ حضرتؒ ضرور تشریف لے جائیں، حضرت نے ضرور اور ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو میں نے سارا قصہ سنا دیا، حضرتؒ نے تھوڑے سے تکدر نما چہرہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے سے کیوں تکلف کیا، مجھ سے بے تکلف فرما دینا چاہئے تھا، چونکہ تار میں کسی ٹرین کی تعیین نہیں تھی، اس لئے اسٹیشن پر کوئی نہ جا سکا کہ وقت معلوم نہ تھا لیکن کھانا مرچ اور بے مرچ دونوں طرح کا دو آدمیوں کے بقدر تیار کرا لیا، ظہر تک انتظار رہا جب میں ظہر کی

نماز پڑھ کر واپس ہوا، اس زمانے میں جلدی سے مسجد سے آنا ہوتا تھا تو مولانا یحییٰ
صاحب کھنجاروی مسجد کے در میں ملے، ان سے پہلے کی واقفیت تھی اور یہ بھی معلوم تھا
کہ ان کا قیام بھوپال میں ہے، ان سے مصافحہ پر میں نے حضرت شاہ کے متعلق
دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ تشریف لے آئے، مسجد میں ہیں، میں صف پر بیٹھ گیا،
حضرت شاہ صاحبؒ سے نماز سے فرصت کے بعد اٹھ کر مصافحہ کیا، مصافحہ کے بعد میں
نے عرض کیا کہ کھانا تو نہیں کھایا، یہ بات میں پہلے مولانا یحییٰ صاحب سے معلوم کر چکا
تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ ''کھایا تو نہیں ہے مگر ابھی کچھ رغبت بھی نہیں'' میں نے عرض
کیا کہ ظہر تک اگر رغبت نہیں ہے تو کب ہوگی، جناب کی شرط کے خلاف تو ذرا اصرار
نہیں، لیکن ہم طالب علموں کو تکلف تو آتا نہیں، بے تکلف عرض ہے کہ کھانا پرہیزی و
بے پرہیزی یعنی مرچ و بے مرچ کا تیار ہے، جو میں نے احتیاطاً تیار کرالیا تھا، حضرت
نے کچھ سکوت فرمایا، میں نے مولوی یحییٰ سے کہا کہ تمہاری تو کوئی شرط نہیں تم تو کھالو،
اور حضرتؒ کو اگر رغبت ہوگی تو ایک آدھ لقمہ نوش فرمالیں گے، مجھے اس وقت کا حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کا تبسم سے زائد ضحک آمیز فقرہ خوب یاد ہے کہ ''بہت اچھا'' تو معاً میں نے
دوسرا فقرہ وہیں بیٹھے بیٹھے کہا کہ حضرت دوسری درخواست اور ہے کہ میرے پاس تو
اس وقت حدیث پاک کا سبق ہے یہ مولوی شفیق گنگوہی ثم بھوپالی ان سے آپ بھی
واقف ہوں گے اس وقت ان کا قیام سہارنپور میں مستقل تھا اور حضرت شاہ صاحب
کے معتقد تھے، یہاں موجود ہیں حضرت تو مہمان خانہ تشریف لے چلیں، یہ مولوی شفیق
صاحب وہیں کھانا لاکر حضرت کو کھلا دیں گے، انشاء اللہ عصر بعد ملوں گا۔

اس پر حضرت نے بہت اظہار مسرت فرما کر ''بہت اچھا بہت اچھا'' فرمایا،

اور یہ بھی فرمایا ''ایسی بے تکلفی بہت اچھی''، میں مولوی شفیق کو ساتھ لاکر ان کے ہمراہ دونوں طرح کے کھانے روانہ کر کے اپنے کام میں لگ گیا، حضرت نے کھانا کھا کر آرام فرمایا، عصر میں ملاقات ہوئی، میں نے تحقیق کی حضرت نے کچھ پکوایا نہیں معلوم ہوا کہ چونکہ ظہر کے بعد کھانا ہوا تھا، اس لئے اس وقت رغبت نہیں ہے اس وجہ سے اس وقت کوئی انتظام نہیں فرمایا، عصر کے بعد چائے کی مجلس میں شرکت ہوئی، کچھ میرے گستاخانہ فقرے اور کچھ حضرت کے شفقت آمیز فقرے ہوتے رہے، مغرب کے قریب میں نے عرض کیا، حضرت میرا معمول سالہا سال سے صرف ایک وقت کھانے کا ہے، شام کو تو ہے نہیں، اس لئے صبح کو انشاءاللہ آپ کی معیت میں کھاؤں گا، اور اس وقت مجھے تو مشغولی ہے اور آپ کو بھی اپنے اَوراد و وظائف میں مشغولی ہوگی، اس لئے اوپر تشریف لے جائیں، میں تھوڑا سا کھانا بھائی یحییٰ کی نیت سے بھیج دوں گا، آپ کو خواہش ہو تو آپ بھی نوش فرمالیں، اس پر پھر تبسم فرمایا اور اوپر تشریف لے گئے، میں نے حسب معمول مولوی شفیق کے ہاتھ کھانا بھیج دیا، معلوم نہیں، نوش فرمایا یا نہیں نوش فرمایا، میں نے پھر دریافت نہیں کیا، صبح کی چائے میں میں نے حضرت کے لئے دو انڈے بنوائے، حضرت نے انڈوں کے خلاف بڑا زوردار وعظ فرمایا، میں نے وہ رکابی اٹھا کر اور چمچے سے اسے ہٹاتے ہوئے عرض کیا کہ یہ قول شاذ ہے، (اطبائے یونان ڈاکٹر ہومیو پیتھک والے اجماعاً اس کے کھانے پر متفق ہیں) چائے سے فراغ کے بعد میں نے کہا کہ حدیث کا ارشاد ہے ''الضیافة ثلاث'' لہٰذا تین دن تو آپ بمقتضائے حدیث میرے مہمان ہیں، اس کے بعد آپ آزاد ہوں گے، حضرتؒ بہت ہنسے اور فرمایا ''میں نے پہلے ہی سے سن رکھا تھا تصدیق ہوگئی''۔

ایک ہفتہ سے زائد حضرت کا قیام رہا، اور میرے مہمان رہے، دوسرے دن سے میرے سبق کے اندر بھی بہت اہتمام سے تشریف لے جانے لگے، یہاں پر حضرتؒ کی طبیعت ایسی لگی کہ جانے کے وقت فرمانے لگے ”آپ کے پاس سے جانے کا جی نہیں چاہتا“ اسباق میں بھی بہت دعائیں دیتے اور مسرت کا اظہار فرماتے، یہاں سے تشریف بری کے بعد ابتداء بہت سے خطوط بلانے کے آتے رہے، مگر مقدر کہ حاضری نہ ہو سکی، اور حضرتؒ کا وصال ہو گیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی سے ایک ملاقات:

ارشاد فرمایا: مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی، مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا، اور ان کے علمی و تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے وہ دار العلوم دیوبند کے ممبر تھے، اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس آدمی پہونچا کہ مولانا مناظر احسن حیدآبادی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام یہ تھا کہ وہ تجھ سے ملنے آئے ہیں، اس لئے فوراً حاضر ہوا، مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا، اور فرمایا کہ ”تجھ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگر چہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے، جب سے ”الکوکب الدری“ طبع ہوئی ہے، ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں، گویا

آپ کی مجلس میں رہتا ہوں، یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے، ترمذی پڑھانے والے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں، اھ بلفظہ جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے وہ آئے تھے اور ۶ر بجے واپس دیو بند تشریف لے گئے۔

انتیسویں مجلس

(۲۹؍رمضان المبارک)

یہاں کے اثرات کو باقی رکھنے کی صورت:

ارشاد فرمایا: ایک بات خصوصیت سے رمضان میں کہتا ہوں، اور بار بار کہتا ہوں، اور اہتمام سے کہوں بھائی دیکھو جہاں میں نے نسبت کی چار قسمیں بتائی تھیں، ان میں سے ایک نسبت انعکاسی ہے، جو بہت جلد غائب ہو جاتی ہے، یہاں سے جانے کے بعد دو تین مہینے تک کثرت سے خطوط آتے رہتے ہیں، اور ان میں قدر مشترک کے طور پر یہ ہوتا ہے کہ حضرت کی خدمت میں رہنے کی جو برکت تھی، وہ اب معلوم نہیں ہوتی، یہ ماحول کا اثر ہے، میرے پیارو! میرے معمولات بہت محدود و مختصر ہیں، زیادہ نہیں، وہ اگر پابندی سے کرتے رہو گے تو ان کا اثر وہاں بھی معلوم ہوگا، میں بار بار کہتا رہتا ہوں کہ بے ضرورت بات نہ کرو، تواضعاً ارشاد فرمایا: اپنی حالت مجھے معلوم ہے، بھائی افضل رائے پور گئے تھے معلوم ہوا کہ وہاں حافظ عبدالعزیز صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی، کیوں کہ وہ رمضان میں انتہائی مشغول رہتے ہیں، اس سے خوشی ہوئی، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ رمضان پوری یکسوئی سے گذارو، اگر پورے

مہینے کا اعتکاف کرنا چاہو تو میں نے اجازت دے رکھی ہے، ایک صاحب نے اس پر اعتراض کیا کہ ''پورے مہینے کا اعتکاف کہاں سے ثابت ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ بخاری کی حدیث سے، حضورؐ نے دس دس دن کے اعتکاف کی نیت شب قدر کی تلاش میں کی تھی، حضورؐ کی اتباع کرو کہ دس دس دن کی نیت کرلیا کرو۔

میں خواہشمند کو اجازت نہیں دیتا:

ارشاد فرمایا: ابتدائی نسبت انعکاسی تو بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے مگر اجازت کے بارے میں ایک اصول ہے، جو اپنے واردات بتاتا ہے اور اس کا خواہشمند ہوتا ہے، اس کو میں اجازت نہیں دیتا، خواہ اس کے حالات کتنے ہی اچھے ہوں، حدیث میں بھی آیا ہے ''إنا لا نولی من طلب منکم الإمارة'' جو امارت کا طالب ہو، میں اس کو امیر نہیں بناتا، میں نے اپنے اکابر کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، حضرت گنگوہیؒ سے لے کر اب تک کے حضرات کو دیکھ رہا ہوں میں نے دیکھا کہ جن صاحب کی اجازت میں خواہش کا شائبہ بھی شامل رہا، ان کی بات نہیں چلی، اور جن پر یہ اجازت تھوپی گئی ان سے خوب کام ہوا۔

''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' کا مطلب:

ارشاد فرمایا: بڑوں کی چیزوں پر اعتراض نہ کرو، اگر تمہاری عقل مانے تو مان لو، ورنہ ان کو اللہ کے حوالے کرو، جن کو اجازت دی گئی اور جس بزرگ نے اجازت دی وہ دونوں ذمہ دار ہوں گے، اس طرح کے بیجا سوالات سے نہ دنیا کا فائدہ اور نہ آخرت کا۔

ایک بزرگ تھے وہ مخلوق سے بھاگتے تھے، یہاں تک کہ بالآخر وہ عاجز

آ گئے اوران کے ارد گرد کافی ہجوم جمع ہوگیا، اور روزانہ بڑھتا رہا، ایک دن انہوں نے اعلان کیا کہ میرے حجرے کے قریب کوئی نہ آئے، چاروں طرف اس کی اطلاع کر دی، خدام کو منع کرنے سے اور تحقیقات کی دلچسپی ہوتی ہے، چنانچہ ۱۲ بجے شب میں ایک عورت نہایت حسین وجمیل آئی تو ان کے حجرے کے کواڑ خود بخود کھل گئے، وہ اندر داخل ہوئی اور کواڑ بند ہو گئے، باہر ایک شور و ہنگامہ برپا ہوگیا، ہم نے لیگ و کانگریس کے دور میں دیکھا ہے کہ ایک ہی آدمی کے بارے میں زندہ باد و مردہ باد کے نعرے بدلتے رہے، بہرحال ان بزرگ نے صبح کے وقت کواڑ کھولے تو سارا مجمع منتشر ہو گیا تھا، صرف ایک آدمی رہ گیا تھا، اس نے کہا حضرت میں نے آپ کے لئے پانی گرم کر رکھا ہے، ان بزرگ نے دریافت کیا" کہ تم کیوں نہیں گئے؟" اس نے کہا کہ" میں نے آپ کو پیر بنا رکھا ہے، نبی نہیں بنایا" اس کے جواب سے وہ بہت خوش ہوئے اور اس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کو اجازت دے دی، اجازت میں تعلقات کو بھی دخل ہوتا ہے، ان بزرگ نے کہا کہ ہجوم بہت تھا میں نے دنیا سے کہا کہ تم اس صورت میں میرے پاس آ جاؤ وہ آ گئی تھی دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کے بہت سے قصے ہیں، مفتی صاحب کے ڈر سے بعض قصے نہیں سناتا:

جو دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اس کے پاس یہ ذلیل ہوکر آتی ہے:

ارشاد فرمایا: ایک سیاح تھا وہ سیاحت کرتا ہوا ایک جنگل بیابان میں پہونچا، وہاں ایک مسجد تھی اس کے تینوں کونے پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے، یہ جا کر چوتھے کونے پر بیٹھ گیا، اور ان لوگوں کی فراغت کا انتظار کرتا رہا، دوپہر ہو چکی تھی اور خوب بھوک لگی تھی، اتنے میں ایک خوبصورت عورت (دنیا جو عورت کی صورت میں آئی)

کھانے کا خوان سر پر لئے ہوئے آئی، اس عورت نے آ کر تین خوان مسجد کے تینوں کونوں پر لا کر رکھا، کھانے کی خوشبو پوری مسجد میں پھیل گئی، اس نے ہر ایک کے سامنے پلیٹ و پیالے وغیرہ لگائے، اور ہر ایک سے خوشامد کرتی رہی کہ حضرت کھانا کھالیں، مگر کوئی متوجہ نہیں ہوتا تھا، اس آدمی کو تعجب ہو رہا تھا کہ کیا بات ہے، بہت خوشامد کے بعد ہر ایک کا ہاتھ دھولایا، پس ان لوگوں نے کھانا شروع کیا، اور ہڈی نکال نکال کر اس عورت کے منھ پر مارتے جاتے تھے اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے خاموش رہا۔

چنانچہ ان تینوں نے کھانے سے فراغت حاصل کی تو اس عورت نے ان کے ہاتھ دھلائے، اور نہایت عمدہ رومال سے ان کے ہاتھ صاف کئے، اس کے بعد وہ اس آدمی کے پاس آئی اور کہا کہ کھانا کھالو، اور جلدی کرو، اس نے بھی ہڈی سے اس عورت کو مارنا شروع کیا، اس نے طمانچہ کھینچ کر اس کو لگایا، تو سیاح نے کہا کہ یہاں کا یہ دستور نہیں ہے، اس عورت نے کہا کہ ''میں ہوں دنیا، یہ لوگ مجھ سے بے تعلق تھے، اس لئے مجھے ان کی خوشامد کرنی پڑی اور تم شروع سے گھور رہے تھے، اس لئے تمہارے لئے یہی ہے (حدیث میں دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کا ذکر ہے) اس نے کہا کہ چونکہ ان بزرگوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس لئے ان کی برکت سے یہ بھی اس طرح مل گیا، ورنہ تجھے کوئی نہ پوچھتا، ''**هم القوم لا يشقىٰ بهم جليسهم**''.

مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

حدیث میں آیا ہے کہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال عطر فروشوں

کی طرح ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو خوشبو محسوس ہوتی رہتی ہے، اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھٹی جلانے والے کے پاس بیٹھے، یا تو وہ تمہارے کپڑے جلائے گی، یا تم اس کا دھواں پاؤ گے۔

تیسویں مجلس

(یکم شوال، عید مبارک)

عید کی نماز کا اعلان:

۲۹ /رمضان المبارک کو رویت ہلال کا ثبوت ہوگیا، اس لئے اعلان کیا گیا کہ یہاں مسجد میں عید کی نماز ساڑھے سات بجے ہوگی، اور عید گاہ میں ۱۱ بجے ہوگی۔

ارشاد فرمایا: ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ میری عمر ۷، ۸/ سال کی تھی عید کی خوشی دو تین دن پہلے سے شروع ہوجاتی تھی، اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ یہ تمنا رہتی ہے کہ کاش ۲۹ کے بجائے ۳۰ کا چاند ہوجائے، حج سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھر بہت یاد آتا ہے وہاں میں نے بہت سمجھایا کہ یہاں کے ایام کو غنیمت سمجھو، مگر منیٰ سے واپسی کے بعد جانے کے تقاضے شروع ہوجاتے ہیں، وہی منظر آج یہاں ہے۔

مولانا نور محمد صاحب ام المجالس کے ناظم اعلیٰ تھے، وہ رائے پور رہا کرتے تھے، کم گو تھے، مگر بات میں مسخرہ پن تھا، وہ آکر بڑے حضرت رائے پوریؒ کو سناجاتے کہ فلانے نے چاند دیکھا اور فلانے نے دیکھا، دس بارہ آدمیوں کے نام گنا جاتے، حضرت فرماتے کہ تم نے بھی دیکھا، تو کہتے نہیں۔

مربی حقیقی حق تعالیٰ ہے شیخ صرف وسیلہ ہے:

ارشاد فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون میں قیام فرمایا، اس وقت وہاں سہ دری نہ تھی، حضرت میاں جیونور محمد جھنجھاوی قدس سرہ العزیز بھی وہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں ایک خاندان تھا، اس کی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت میاں جیوؒ کے پاس وہ لوگ دعا کے لئے آئے، تو حضرت میاں جیوؒ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے، یہاں ان کے لئے سہ دری بنوادو، میں دعا کروں گا، انہوں نے اس کا وعدہ کرلیا وہ مقدمہ الہٰ آباد میں جاکر موافق ہوگیا، جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی، انہوں نے حضرت میاں جیوؒ سے تذکرہ کیا، تو حضرتؒ نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے، انہوں نے کہا حضرت سہ دری بنوانے کی قوت نہیں، آدھی بنوادیں گے، حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا ''تا حیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط'' پھر انہوں نے آکر حضرت سے عرض کیا، حضرتؒ نے فرمایا ''تمہیں نے تو آدھا کیا ہے، میں کیا کروں''۔

فرمایا: ''أنا عند ظن عبدي بي'' کے مطابق اللہ جل شانہ معاملہ فرماتے ہیں، پیر بھی کچھ نہیں، تربیت کرنے والا اللہ ہے ؎

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
ہم کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب میں تربیت کا سبب بنایا ہے، حق تعالیٰ ہر ایک کی تربیت کرنا چاہتے ہیں، وہ دین و دنیا دونوں دینا چاہتے ہیں خوب مانگو، اس

کریم کے یہاں کمی نہیں۔

اخلاص وخوشامد سے مانگنے کی لذت:

فرمایا: حق تعالیٰ بے حساب دینا چاہتا ہے ''وما کان عطاء ربک محظوراً'' کیمیا سیکھنے والے بادشاہ کا قصہ سن چکے ہو، اخلاص وخوشامد سے مانگنے میں لذت ہے، تبلیغ والوں کی ان باتوں کا میں مخالف ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ''ایک چلہ لگادو تو فلاں کام ہوجائے گا'' یہ کہو کہ اخلاص سے کام کرو، پھر دیکھو۔

ایک مولوی صاحب کہیں وعظ کے لئے گئے انہوں نے اپنے وعظ میں کہا ''دہ در دنیا ستر درآخرت'' اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر دس گنا بدلہ دنیا میں اور ستر گنا آخرت میں ملتا ہے، بھائی ہم مولویوں کی صورت بھی صورتِ سوال ہے، ایک غریب آدمی تھا، اس نے محنت ومشقت سے سو روپئے اکٹھا کئے تھے، اس نے پوری رقم لاکر مولوی صاحب کو دے دی، اور واپس جاکر منتظر رہا کہ کب ایک ہزار ملتے ہیں، رات میں جہاں ذرا کھٹکا ہوا وہ سمجھتا کہ شاید کہیں سے کوئی رقم لا رہا ہے، بالآخر صبح ہوئی، اس کو بہت پریشانی ہوئی اور ہڑکی شکایت ہوگئی، دست آنے شروع ہوگئے، شام تک یہی حالت رہی، چلنا پھرنا مشکل ہوگیا، اس نے اس واعظ مولوی کو بہت برا بھلا کہا، مولوی صاحب یہاں سے وعظ کہہ کر آگے چلے گئے تھے، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے جنگل میں ڈال دو، چنانچہ ڈال دیا گیا، وہاں وہ ڈھیلہ سے استنجاء کرتا رہا، اور ریت سے کھرچ کھرچ کر ٹھیکرے تلاش کرتا رہا، بالآخر اس کو ایک موٹا ٹھیکرا ملا، اس کے کھودنے میں ایک آواز سی آئی، اس کو سن کر اس کے جان میں جان آئی اور کھودا تو اس کو روپئے کی ایک ہانڈی مل گئی، اس میں ایک ہزار روپئے تھے، بہت

خوش ہوا، کچھ دنوں کے بعد پھر وہ مولوی صاحب وعظ کہنے آئے تو اس نے ان سے کہا ’’مولوی جی! تمہاری بات تو سچ ہے، مگر تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس راستے میں اس قدر مصیبت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے‘‘۔

روپئے کا نشہ:

ارشاد فرمایا: سو روپئے میں ایک بوتل شراب کا نشہ ہوتا ہے، ایک حجام تھا، وہ ایک بادشاہ کی حجامت بنانے کے لئے اس کے سرہانے بیٹھا اور کچھ منمنا رہا تھا، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ’’گھر کے گھر ہی میں ہو جائے، میرا لڑکا اور ان کی لڑکی‘‘ یعنی دونوں کی شادی ہو جائے، بادشاہ کو سن کر بڑا غصہ آیا، اس نے اپنے وزراء کو جمع کیا کہ اس حجام کو پھانسی دی جائے، ایک تجربہ کار وزیر نے کہا کہ ابھی اس کو سزا نہ دیں، دوسری جگہ بیٹھ کر حجامت بنوائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا، تو یہ حجام خاموش رہا، اس کے بعد پھر اس وزیر نے کہا کہ اب پہلی جگہ تشریف لائیں وہاں بیٹھنے کے بعد پھر وہی قصہ پیش آیا، اس وزیر نے کہا کہ آپ کے سرہانے خزانہ پوشیدہ ہے، یہ اس پر بیٹھنے کا اثر ہے، چنانچہ اس جگہ کی کھدائی ہوئی تو خزانہ برآمد ہوا۔

ارشاد فرمایا: جو کچھ آخرت کے بنک میں جمع کرنا ہے جمع کر دو، بدنظری بد کرداری ہر طرح کے معاصی میں علماء و مشائخ مبتلا ہیں، غیبت کو تو ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں، ’’اعتدال‘‘ کا باب ہے قابل مطالعہ ہے ؎

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اکابر کے طریقہ کو لازم پکڑو:

ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کی ایک ایک ادا دانتوں سے پکڑنے کے قابل ہے، جب سے میں نے سنا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ تیس تاریخ کو ”الم ترکیف“ سے تراویح پڑھتے تھے اگر آج چاند نہ ہوا ہوتا تو میرا بھی ارادہ تھا کہ عبدالرحیم سے کہوں کہ ”الم ترکیف“ سے تراویح پڑھاوے۔

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لا تعد ولا تحصیٰ احسانات ہیں اس لئے کثرت سے درود شریف پڑھتے رہو، دل گناہوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اس سے بچنے کے لئے استغفار پڑھتے رہو، اور کلمہ سوم کا ورد رکھو۔

عید کی صبح کو نماز سے پہلے حضرت اقدس مدفیوضہم نے حدیث مسلسل بالاولیۃ کو پڑھ کر ہر سال کے دستور کے مطابق اس کی اجازت مرحمت فرمائی، عید کی نماز حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ نے پڑھائی، حق تعالیٰ اس رشد و ہدایت کے سلسلہ کو حضرت اقدس مدفیوضہم کے سائے کو ہمارے سروں پر باقی رکھ کر تا دیر قائم و دائم رکھے، امین۔

ضمیمہ

''آئندہ کے صفحات پر ۸۷، ۸۸ھ کے رمضان المبارک کے ملفوظات کو خصوصیت سے نیز اس کے علاوہ کے ملفوظات کو بھی ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں، البتہ مکررات کو حذف کر دیا ہے، اور مضامین میں ترتیب قائم کر دی ہے''۔

تبلیغی جماعت اور مدارس:

تبلیغی جماعت سے حضرت اقدس مدفیوضہم کا جو سرپرستی کا تعلق ہے اس کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے سوانح یوسفیؒ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

''حضرت شیخ الحدیث صاحب کی سرپرستی، فکرمندی و دل سوزی صاحب سوانح اور دعوت تحریک کے جسم و جان و رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے ۔

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم''

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: میں نظام الدین کی تبلیغ کا بہت معتقد ہو گیا ہوں، چچا جانؒ کے زمانے میں کم اور مولوی یوسف مرحوم کے دور میں اس کا بہت معتقد ہو گیا

ہوں، اس لئے اپنے تمام متعلقین کو ہدایت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے، اس میں تعاون کیا جائے، صحیح بخاری میں شب قدر کے سلسلے میں آیا ہے ”قد تواطأت“ خوابوں کا اتفاق ہو گیا ہے، اسی طرح تبلیغ کے سلسلے میں بھی بہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشرات ہیں، تبلیغ کے سلسلے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ تبلیغ والے مدارس کے مخالف ہیں،“ مگر یہ بات صحیح نہیں، مجھ سے کلکتہ و بمبئی کے سینکڑوں آدمیوں نے بیان کیا کہ ”ہمارا علماء و مدارس سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر اس کام کے ذریعہ تعلق پیدا ہوا، اس کام کی برکت سے ہزاروں آدمیوں نے بلکہ لاکھوں آدمیوں نے شراب چھوڑ دی اور تائب ہوئے، چونکہ اس کام میں بہت شرابی وغیرہ تائب ہو کر لگتے ہیں، اس لئے ان کی طرف سے بے اعتدالیاں ہو جاتی ہیں، ان کو مناسب انداز میں ٹوکنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر تم یہ نہ کر سکو تو ہم کو لکھو، ہم تو بڑے بڑوں کو ٹوکتے ہیں، مجھے اپنے چچا جانؒ سے تبلیغ کے بارے میں کئی چیزوں میں اختلاف تھا، مگر وہ فرماتے تھے کہ ”جتنا تبلیغ کا یہ مخالف ہے اور کوئی نہیں، مگر اس کے باوجود جتنا نفع اس سے پہونچا اور کسی سے نہیں“۔

ایک مرتبہ چچا جانؒ نے خواب دیکھا کہ آگے آگے چچا جانؒ اور ان کے پیچھے میں ہوں، اور میرے پیچھے حضرت سہارنپوریؒ اس خواب کو چچا جانؒ نے حضرت رائے پوریؒ سے بیان کیا، حضرت نے اس کی تعبیر یہ بتائی: ”کہ آپ کی تقویت حضرت شیخ سے ہے، اور ان کی پشت پر حضرت سہارنپوریؒ ہیں“۔

ارشاد فرمایا: ہمارے یہاں سکوت ہے اور نظام الدین کے حضرات کے یہاں حرکت، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ نے ایک خواب سنایا کہ کسی

بزرگ نے خواب میں فرمایا کہ ''تبلیغ صرف زبان ودماغ وکاغذ سے نہیں چلے گی، بلکہ مجاہدے اور جان ومال نچھاور کرنے اور دعاؤں سے چلے گی'' حضرت اقدس نے فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا۔

مشاجرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تکوینی طور پر تکمیل دین کے لئے پیش آئے:

ارشاد فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضرورت نبیؐ کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے، تاکہ بعد والوں کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو شان نبوت کے منافی نہیں، ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا، یہی وجہ ہے کہ ''لیلة التعریس'' میں صبح کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھل سکی، یہ واقعہ ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا، اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو تین مرتبہ پیش آیا، چونکہ یہ فعل شان نبوت کے منافی نہ تھا، اس لئے حضورؐ کی ذات سے صادر ہوا، اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار پیش آیا، جس کے بارے میں خود حضورؐ کا ارشاد ہے ''إني لا أنسی ولکن اُنسی الخ'' (موطأ مالک) میں بھولتا نہیں ہوں، بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (طریقہ) جاری کر جاؤں۔

حضرت بریرہؓ کے قصہ میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھیں، مگر حضرت بریرہؓ کے آقا اپنے لئے ولاء کی شرط لگاتے تھے جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا ''اشتری واشترطی'' بعض علماء نے اس روایت میں ''اشترطی'' پر کلام کیا ہے، کیوں کہ بیع میں اس طرح کی شرط لگانا ناجائز ہے

جب کہ دوسری روایت میں ''الولاء لمن اعتق'' آ گیا ہے، مگر میری رائے ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے، ایک بیع باطل ہے اور ایک بیع فاسد، حنفیہ کے نزدیک شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، مگر مفید ملک ہے، اس حدیث سے بیع فاسد کا جواز بتایا گیا ہے۔

اس طرح کے افعال حضور سے بیان جواز کے لئے تعلیما صادر ہوئے، اس پر عمل کرنے سے آپ کو پورا پورا ثواب ملتا تھا۔

اسی طرح جو افعال شان نبوت کے منافی تھے وہ صحابہ کرامؓ سے کرائے گئے انہوں نے خود اس کے لئے اپنے کو پیش کیا کہ ہمارے ذریعہ اپنے دین کی تکمیل کرلیں ہم سنگسار ہونے کے لئے تیار ہیں، ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار ہیں، ان افعال کی قباحت میں کمی نہیں، حضرت ماعزؓ و حضرت غامدیہؓ کو سنگسار کیا گیا، اور ان لوگوں کے ذریعہ دین کی عملی تکمیل کی گئی۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

اسی طرح صحابہ کرام کے مشاجرات، جنگ جمل و صفین وغیرہ سب تکوینی طور پر پیش آئے، حضورؐ کے زمانے میں حکومت پر لڑائی کرنا کفر تھا، کیوں کہ جس جانب حضورؐ کا فیصلہ ہوتا وہ قطعی تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں اس کا موقع دیا گیا کہ حضورؐ کے وصال کے صدمے کا صحابہ کرامؓ سے تحمل ہو جائے، اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فقہی لحاظ سے دین کی تکمیل کی گئی، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اختلافات شروع ہوئے، حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں تا کہ دونوں طرف کے اصول و ضوابط معرض وجود میں آ جائیں، اور اس طرح دین کی تکمیل ہو سکے، ہم نے صحابہ کرامؓ کو سمجھا نہیں، وہ ہم کو حکومت و سیاست کے اصول وغیرہ ہر چیز کر کے دکھلا

گئے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (الاعتدال ص ۲۲۹)

علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے اور مخالفت بری:

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے، میں نے ۱۴۰ھ سے حدیث کی کتاب پڑھانی شروع کی تھی اور آج تک ہر سبق میں اس کو بیان کرتا ہوں (آج کل معذوریوں کی وجہ سے سبق کا سلسلہ بند ہوگیا ہے) میرے والد صاحبؒ ایک قصہ سنایا کرتے تھے، ایک صاحب بڑے عالم بلکہ علامہ تھے سینکڑوں شاگرد ہزاروں مرید تھے، ان کا ایک لڑکا تھا، لیکن اس نے کوئی علمی کمال نہیں پیدا کیا، جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اس کو بلا کر کہا کہ ''جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، پھر تحقیق کر کے جواب دینا''، حمل سے لے کر قبر تک کے مسائل میں علماء کا اختلاف ہے، بلکہ جماع کے وقت کی دعا تک میں اختلاف ہے کہ ازار کھولنے سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد میں، مدتِ حمل نماز جنازہ کی تکبیرات تک میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے ضابطہ تو انہوں نے صحیح بتایا، اختلاف ائمہ مجھے پسند ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ گذر چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے کسی مسئلہ میں اتفاق سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اختلاف سے''، کیوں کہ اختلاف کی وجہ سے گنجائش رہتی ہے، یہ اختلاف بڑی مبارک چیز ہے، البتہ مخالفت بری چیز ہے، میرے والد صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ سے جو تعلق تھا وہ سب کو معلوم ہے، مگر بعض مسائل میں ان حضرات سے اختلاف بھی تھا میرے حضرت سہارنپوریؒ بعض لوگوں سے خود فرما دیتے تھے کہ فلاں چیز میرے نزدیک جائز نہیں، لیکن مولوی

یحییٰ کے نزدیک جائز ہے، تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لو، اور اس کے موافق عمل کرو، خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی، اس لئے روزہ ہے، اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ حجت شرعی سے صحیح تھی، اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے، دن بھر بحث رہی، شام کو چاند نظر نہ آیا، حضرتؒ نے طے فرما دیا کہ میں روزہ رکھوں گا، میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میری اتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آ گیا ہو تو روزہ رکھو ورنہ نہیں، بالآخر حضرتؒ کا روزہ تھا اور میرا افطار، حضرت کے خدام میں متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا، اور متعدد نے روزہ رکھا، حضرتؒ نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا، گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرتؒ کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتناء سمجھا، مگر حضرتؒ نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا، بلکہ تصویب ہی فرمائی۔

چار رکعت نماز میں میں نے اختلاف ائمہ کو مشکوٰۃ شریف کی تدریس کے زمانے میں شمار کیا تھا، تو ان کی تعداد سوا دو سو پہونچ گئی تھی، بخاری کی تدریس کے زمانے میں ان کی تعداد تقریباً پونے تین سو پہونچ گئی ہوگی ''جزو اسباب اختلاف ائمہ'' حضرت کا مستقل رسالہ ہے، جو اَب طبع ہو چکا ہے ''الاعتدال'' میں بھی اس پر گفتگو فرمائی ہے۔

فرمایا: علامہ شعرانی نے اپنی کتاب ''میزان الکبریٰ'' میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہرامام نے اپنے اپنے دور کے لحاظ سے کہا ہے جس کو لوگ اختلاف سمجھ رہے ہیں مگر نقل مذاہب میں ان سے تسامح بھی ہوا ہے۔

فرمایا: رامپور میں ایک دعوت تھی، اور وہاں ختنہ بھی تھا، سب اکابر نے شرکت فرمائی، مگر عین وقت پر حضرت تھانویؒ نے انکار کردیا، لوگوں کو تعجب ہوا، حضرت نے فرمایا کہ ''ان اکابر کو اپنے علوشان کے باوجود ان مفاسد کا علم نہیں جو مجھے معلوم ہیں، اس لئے سداًللباب میں حاضر نہیں ہوا''۔

نوٹ: ایک طالب علم نے دوقرآن ختم کر کے حضرت اقدسؒ کو ایصال ثواب کیا تھا، اس پر حضرت نے اظہار مسرت فرمایا، مولانا عبدالمنان دہلوی نے عرض کیا کہ میں نے اسی طرح ایک طواف حضرت رائے پوری کے لئے کیا تھا، جب حضرتؒ سے ذکر کیا تو فرمایا اس کو ذکر نہ کرنا چاہئے، اس میں اظہارِ احسان ہے حضرت اقدس نے بھی اس کی تصویب فرمائی۔

آپس کے اختلافات میں راہِ اعتدال:

ارشاد فرمایا: آج جمعیت و مشاورت وغیرہ ہے، اخلاص سے جس راستہ کو چاہو اختیار کرو، آپس میں ایک دوسرے پر تنقید نہ کیا کرو، گاندھی و مالویہ کے حالات سے سبق لو، دونوں میں تضاد تھا مگر ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے، ہمارے اکابر میں تضاد تھا مگر ہمیشہ ایک دوسرے کا اکرام کرتے تھے، حضرت مدنی کو ایک مرتبہ دلی جانے کی حکومت برطانیہ کی طرف سے ممانعت تھی حضرت کو وہاں جانے پر اصرار تھا،

فرمایا دلی جاؤں گا، قانون توڑوں گا، شور ہوا، چنانچہ دلی کے لئے روانہ ہوئے، مظفر نگر پہونچے تھے کہ راستے میں اتار لئے گئے اور سیدھے جیل خانہ پہونچا دیئے گئے، اس واقعہ کا علم حضرت تھانویؒ کو ہوا تو ظہر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنیؒ کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج وغم اور تعلق کا اظہار فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم نہیں تھا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مجھے اس قدر محبت ہے، اس پر ایک شخص نے حاضرین مجلس میں سے عرض کیا کہ ''حضرت وہ تو از خود گئے تھے'' حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا آپ مجھے اس فقرے سے تسلی دینا چاہتے ہیں، حضرت امام حسینؓ بھی تو یزید کے مقابلے کے لئے از خود تشریف لے گئے تھے، یزید نے ان کو جبراً تو قتل نہیں کیا تھا، لیکن حضرت امام حسینؓ کا غم ساری دنیا آج تک نہیں بھولی۔

حضرت مدنی ہر ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اچانک تشریف لائے اور فرمایا ''تمہارا درشن کرنے آیا ہوں'' میں نے کہا کہ مجھے ان مبارک ہونٹوں سے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، فرمایا کہ میں تھانہ بھون جا رہا ہوں، اور تمہارے ساتھ، میں نے عرض کیا کہ میرے سر میں بال نہیں، یہ وہ زمانہ تھا جب ''الاعتدال'' لکھی گئی تھی، زمانہ ع غ (اختلاف) کا تھا، فرمایا: ہمارے اکابر میں تو وہی رہ گئے ہیں، چنانچہ حضرت مدنیؒ تشریف لے گئے رات کا وقت تھا، خانقاہ بند تھی، باہر مسجد میں آرام کیا، صبح حضرت تھانویؒ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اگر آپ کی آمد کی اطلاع پہلے سے ہوتی تو میں کسی کو اسٹیشن بھیجتا، یہ ہمارے اکابر کے حالات تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب بخاری فرمایا کرتے تھے کہ یہ مکان مشترک پلیٹ فارم ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری تھے، یہ

سب میرے ہی یہاں مہمان ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ بھی اپنی علالت سے پہلے میرے یہاں مہمان ہوتے تھے، حضرت سہارنپوریؒ کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، اسی وجہ سے میرے ساتھ تعلق تھا، اور میرے والد صاحبؒ سے بھی بے تکلفی کے تعلقات تھے، جب حضرت سہارنپوریؒ سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تو میرے والد صاحبؒ کے نام حضرت تھانویؒ کا خط آیا کہ ہر ماہ ایک مرتبہ تم اپنی زیارت کرایا کرو۔

ایک مرتبہ والد صاحبؒ نے حضرت کو سہارنپور آنے کی دعوت دی، حضرت کے یہاں قانون وضابطہ بہت تھا، جواب آیا کہ میں ادھر سفر پر آرہا ہوں، سہارنپور سے تھانہ بھون تک کا میرا اور میرے ایک خادم کا کرایہ دینا پڑے گا، اور ایک ہانڈی اُرد کی دال دینی پڑے گی، حضرت کو اُرد کی دال بہت پسند تھی، اور میری والدہ صاحبہ بہت اچھی پکاتی تھیں، والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد میں نے حضرت کو خط لکھا کہ حضرت کا جو دستور تھا اس میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ تو جواب اپنی شفقت سے دیا کہ ضرور جاری ہوگی، اس کے بعد سے مستقل قانون ہوگیا کہ سہارنپور میں میرے ہی مہمان ہوتے تھے، میری وجہ سے یہاں کی آمد تو یاد نہیں البتہ اگر کسی ضرورت سے سہارنپور آمد ہوتی تو میرے ہی مہمان ہوتے۔

فرمایا: ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد تھانوی شیخ الاسلام پاکستان میرے یہاں مہمان ہوئے، یہ زمانہ اختلاف کا تھا، اتفاقاً ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہیں مجھے فکر ہوئی کہ دوپہر کو دونوں کو دستر خوان پر ایک ساتھ کس طرح جمع کروں، میں مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ حضرت مدنی تشریف لائے ہیں، پہلے انہیں کھانا کھلا دوں، کیوں کہ تھوڑی دیر کے بعد واپس

چلے جائیں گے، اس کے بعد آپ کے لئے دستر خوان بچھاؤں گا، انہوں نے فرمایا کہ ہمارا اختلاف سیاسی ہے، حضرت ہمارے دینی پیشوا ہیں ہم تو ساتھ کھانا کھائیں گے، پھر میں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت نے بھی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، ساتھ کھانا کھائیں گے، چنانچہ دستر خوان پر دونوں حضرات تشریف لائے، اِدھراُدھر کی بے تکلفی کی باتیں کرتے رہے، مگر سیاست کا کوئی ذکر تک نہیں آیا۔

ارشاد فرمایا: جمعیت و مشاورت کی لڑائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں، ایک صاحب نے اپنا خواب لکھا کہ ''میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ غصہ میں ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ علی میاں بھی میرے ہیں اور اسعد میاں بھی میرے ہیں، آنکھ کھل گئی'' میں نے کہا کہ تعبیر واضح ہے، دونوں مخلص ہیں، تم لوگ آپس میں لڑائیاں کر کے اپنی عاقبتیں خراب نہ کرو، یہ اختلاف ویسا ہی ہے جیسے لیگ و کانگریس کا تھا، اگر کوئی ان میں سے کسی راستے کو اخلاص سے اختیار کرنا چاہے تو کرلے، ورنہ میری طرح الگ تھلگ ہو کر تسبیح پڑھتا رہے۔

ارشاد فرمایا: علماء کا اختلاف اگر کسی مسئلے میں ہوتا ہے تو گنجائش نکل آتی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ ہے کہ ''جس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف نہیں ہوتا، اس میں مجھے تنگی نظر آتی ہے''۔

ہمارے اکابر کی طبائع میں تضاد تھا مگر اس کے باوجود ایک تھے:

ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کو خوب دیکھا، ان کی طبائع میں تضاد تھا، مگر سب ایک تھے، ہر ایک دوسرے کی چیزوں کو سراہتا تھا، حضرت اقدس تھانویؒ کے یہاں قوانین کا زور تھا، خانقاہ میں ایک بڑی تختی قواعد کی لٹکی رہتی تھی، حضرت رائے

پوریؒ کے یہاں تواضع کا غلبہ تھا، حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ رائے پور تشریف لے گئے، تو فرمایا ''اللہ اکبر یہاں کے پتہ پتہ سے تواضع ٹپکتی ہے'' بڑے حضرت رائے پوری کے زمانے میں ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھتا تھا، بڑے حضرتؒ کے زمانے کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ، منشی رحمت علی صاحب وغیرہ چمکے، حضرت کے زمانے میں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی چیز ہیں، حضرت رائے پوریؒ وحضرت مدنیؒ کے یہاں دلداری ونرمی تھی۔

اللہ والوں سے ڈرتے رہنا چاہئے:

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ کے انتقال پر اللہ نے مجھے بہت صبر دیا تھا، چنانچہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ باپ کے انتقال پر پابندیاں ختم ہوگئی ہیں، شاید اسی لئے خوشی ہوئی ہے، انتقال کے بعد کثرت سے مہمان آئے میں نے کوئی ایک ڈیڑھ سو روپئے کی پوڑیاں منگوا کر لوگوں کو کھلایا، ایک بزرگ جو میرے والد صاحب کے دوست اور مخلص خدام میں تھے وہ بڑے صاحب کشف تھے، کشف قبور میں بہت بڑھے ہوئے تھے، وہ والد صاحبؒ کے انتقال کے دوسرے دن ان کی قبر پر حاضر ہوئے، والد صاحبؒ نے ان سے تین باتیں فرمائیں:

(۱) ''والد صاحبؒ کے مخالفین بہت تھے، فرمایا کہ مولوی زکریا سے کہہ دیجئے کہ ان کی فکر نہ کرو، یہ خود اپنا نقصان اٹھائیں گے۔

(۲) والد صاحبؒ پر قرض بہت تھا، اس کے مانگنے والے بہت تھے، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کی فکر نہ کرو (الحمد للہ سب ادا ہوگیا)۔

(۳) بزرگوں سے ڈرتے رہنا ان کی الٹی بھی سیدھی ہے''۔

ارشاد فرمایا: کہ مخالفت تو ہر ایک کی ہوتی ہے، کوئی ایسا آدمی نہیں کہ سب اس کی تعریف کریں، یا سب اس کی مذمت کریں، دنیا جو چاہے سمجھے، مگر اللہ سے معاملہ صاف رکھو، لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں یہ نہ دیکھو، بلکہ اللہ سے مانگو، اور ان کے حقوق ادا کرتے رہے۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

میرے حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے ۴۴ھ کے سفر حج کے موقع پر مولانا عبد اللطیف صاحب کو مدرسہ کا ناظم تجویز کیا تھا، حضرت اقدس کے ساتھ سفر میں میں بھی تھا، حضرت کے مدینہ منورہ قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے حضرت ناظم صاحبؒ کی شکایات لکھیں، میں ان کو غلط سمجھتا تھا، اس لئے وقتاً فوقتاً تردید کرتا رہتا تھا، حضرت اقدس رائے پوریؒ بھی اس سفر میں حج کے لئے تشریف لائے تھے، جب واپس ہونے لگے تو حضرت نے ان کے ذریعہ ناظم صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ فلاں فلاں سے معاملہ اچھا رکھنا، جب مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ نے ناظم صاحب کو یہ پیغام پہونچایا تو انہوں نے تردید کی کہ یہ شکایات بالکل جھوٹ ہیں، جن لوگوں کی ناظم صاحب مدارات کرتے تھے ان لوگوں نے بھی شکایت لکھی تھی کہ ہم لوگوں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔

عين الرضا عن كل عيب كليلة
كما أن عين السخط تبدي المساويا

بہرحال حضرت رائے پوریؒ کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو انہیں عجیب تاثر ہوا، مجھے

جب یہ معلوم ہوا تو اس موقع پر اپنے والد صاحبؒ کی بات یاد آ گئی کہ ''اللہ والوں کی الٹی بھی سیدھی ہے'' میرے حضرت نے یوں فرمایا: ان اللہ والوں کو اگر کسی بات سے تکدر پیدا ہو جائے تو آدمی کو مصیبت میں پھانس دے، بڑے حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ ''اولیاء اللہ کی صحبت اکسیر ہے، بشرطیکہ دل میں کوئی خدشہ نہ آئے'' اس کی تفسیر میرے نزدیک یہ ہے کہ دل میں تنقید کا جذبہ نہ پیدا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاؤ، یا مرید ہو جاؤ، حضرت مدنیؒ سے کسی نے ایک صاحب کی شکایت کی تو حضرت نے فرمایا ''بھائی تقصیر سے اس زمانے میں کون خالی ہے'' یہ چودہویں صدی ہے، اکابر بھی اسی صدی کے ہیں ہر بزرگ سے اعتقاد ضروری نہیں، مگر ان کی مخالفت نہ کرو، ''**من عادیٰ لي وليا فقد اٰذنته بالحرب**'' اگر تمہارا کسی بزرگ سے میل نہیں ہے تو ان کے پاس نہ جاؤ، مگر مخالفت نہ کرو، **واللہ یعلم المفسد من المصلح**، آج کل خطوط کی کثرت ہے کہ فلاں فلاں میں آپ اتحاد کیوں نہیں کرا دیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ حضرت گنگوہیؒ کے دور سے یہ دیکھتا چلا آ رہا ہوں، ہر ایک کے لئے کلمۂ خیر کہتا ہوں، پارٹی سے الگ رہو۔

اکابر کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق:

ارشاد فرمایا: میرا ہمیشہ کا یہ دستور رہا ہے کہ بزرگوں کے معمولات معلوم کرتا رہتا ہوں، چنانچہ فضائل رمضان میں میں نے اپنے اکابر بالخصوص حضرت رائے پوریؒ حضرت سہارنپوریؒ، حضرت مدنیؒ کے معمولات لکھے ہیں، ان بزرگوں کے حالات سنانے کا میرا بہت جی چاہتا ہے، کتابوں میں ان کے حالات پھول کے گلدستہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں، ''الاعتدال'' میں ان کے حالات لوگ توجہ سے نہیں سنتے،

حالاں کہ یہ بہت اہم ہیں، ان بزرگوں کی طبائع میں اختلاف تھا، مگر اس میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے، میرے والد صاحب کا بھی ان اکابر کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا، حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ عظمت اور حضرت تھانویؒ کے ساتھ بے تکلفی کا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است:

ارشاد فرمایا: سر رحیم بخش صاحب جو ریاست بھاولپور کے اہم ذمہ دار تھے ہمارے اکابر سے ان کے تعلقات تھے، اکثر ان حضرات کو بلایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے یہاں مدعو کیا، جب یہ حضرات تشریف لے گئے، سر رحیم بخش صاحب نے ہر ایک کے لئے الگ الگ نذرانہ پیش کیا، ان دونوں بزرگوں نے قبول فرما لیا، مگر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ''آپ کے ہم لوگوں پر بہت احسانات ہیں، اس کی ضرورت نہیں'' مگر جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا ''جب آپ نے ہم کو بلایا تھا اسی وقت مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ کچھ ہدیہ دیں گے، اس میں اشراف نفس ہے، اس لئے واپس کر رہا ہوں''، ہمارے اکابر کے حالات عجیب ہیں، انہوں نے بالکل تامل نہیں کیا، واپس لے لیا ۔

''محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی''

چنانچہ یہ حضرات جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو انہوں نے ایک ملازم ساتھ کر دیا، اور اس کو ایک لفافہ دیا، اس میں رقم بھی تھی اور خط بھی تھا، اور اس سے کہہ دیا کہ تین چار اسٹیشن کے بعد حضرت تھانویؒ کو دے دینا، حضرت جو جواب دیں وہ مجھے بتا دینا، چنانچہ اس نے حضرتؒ کو تین چار اسٹیشن کے بعد اس لفافہ کو پیش کیا، حضرتؒ نے خوشی

سے قبول فرمالیا۔

بڑوں سے انتساب اس وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی میں کوئی ذاتی کمال ہو:

ارشاد فرمایا: ہم نے بچپن میں یہ سنا تھا کہ مشہور ہے کہ گیدڑوں کا سردار کہا کرتا ہے ''پدرم سلطان بود'' تو دوسرے گیدڑ کہتے ہیں ''تراچہ تراچہ'' ہماری مثال بھی ایسی ہی ہے، کچھ کرنے سے ہوتا ہے، اگر آدمی میں کوئی کمال نہ ہو تو والد صاحب کیسے تھے، ہوتے رہیں۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں اللہ میاں نے کہہ دیا ''إنه ليس من أهلك'' بڑوں سے انتساب اسی وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی کچھ ہو۔

''مشک آنست کہ خود ببوید''

پریشانی کا سبب کوئی معصیت ہوتی ہے:

ایک ڈاکٹر صاحب ایک مقدمہ میں پریشان تھے، حضرت نے ارشاد فرمایا اللہ کی قدرت کے کارخانے عجیب ہیں، میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک مہینہ ہوا خط لکھا تھا جب آدمی کوئی کام نہیں کرتا تو بیٹھ کر سوچا کرتا ہے۔

ایک قصہ ہے، ایک آدمی نے ایک ملازم رکھا، دونوں ایک سفر پر روانہ ہوئے، ان کے ساتھ ایک گھوڑا تھا، اس نے ملازم سے کہا کہ دور کا سفر ہے آدھی رات میں جاگوں گا اور آدھی رات تم جاگو، گھوڑے کے بارے میں فکر ہے کہ کہیں چوری نہ

ہوجائے، میں سوتا ہوں جب آدھی رات ہوجائے تو تم مجھ کو جگادینا، چنانچہ ایک منزل پر وہ آدمی آدھی رات تک سوتا رہا، اورآدھی رات کوازخوداٹھ گیا، دیکھا تو ملازم سورہا تھا، اس نے ملازم سے کہا کہ تم سورہے ہو ملازم نے کہا کہ نہیں میں پڑاپڑا سوچ رہا ہوں، اس نے کہ کہ کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ سوچ رہا ہوں کہ بکریاں پتے کھاتی ہیں، پھر یہ دودھ کہاں سے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد اس نے بھی کہا کہ میں بھی سوچ رہاہوں، اتنے میں معلوم ہوا کہ گھوڑا چوری ہوگیا۔

ڈاکٹر صاحب کا پریشانی کا خط آیا، میں نے سوچ کران کو جواب لکھا کہ زندگی میں کسی پرظلم تونہیں ہوا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ عرصہ ہوا، میں نے ایک بےقصور کوقید کرادیا تھا"**ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم**".

فرمایا: میرے پیارو! خدا کے یہاں دیر ہے اندھیرنہیں، آج کل مجلس میں میں نے "الاعتدال" شروع کرارکھی ہے، آج کل زبانوں پرگالیوں اور بدگمانیوں کے سبب لڑائیاں ہورہی ہیں، آدمی کو خدا کی طرف سے ڈھیل ملتی رہتی ہے، جب آدمی توبہ نہیں کرتا، تو کسی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے، آدمی کہتا ہے کہ یہ کوئی جرم تونہیں کہ مصیبت آئے، ہم سوچتے نہیں۔

اکثر مصائب کا سبب زباں درازیاں ہیں:

فرمایا: اکثر زبانوں کی بے احتیاطیوں کے سبب مصیبتیں آتی ہیں، حدیث میں بھی آیا ہے "**هل یکب الناس في النار علی وجوههم إلا حصائد ألسنتهم**" زباں درازیوں کے سبب اوندھے منھ جہنم میں ڈالا جائے گا، حضورؐ کے ارشادات بہت اہم ہیں، ہم مولوی پڑھتے پڑھاتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے، ایک

حدیث ہے ''أحبب حبیبک ھوناً ماعسیٰ أن یکون بغیظک یوماً ما الـــــخ'' اگر تمہاری کسی سے دوستی ہو تو ہلکی ہلکی، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے، اسی طرح اگر کسی سے عداوت ہو تو اس میں بھی اس کا خیال رہے، کہ شاید کسی دن اس سے دوستی ہو جائے، آج کل لوگوں نے راہِ اعتدال چھوڑ دی ہے۔

''آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا'':

حضرت اقدس بہت کثرت سے اپنے سبق میں بیان فرماتے تھے کہ یہی قرآن وحدیث صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تھا اور یہی ہمارے زمانے میں بھی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ان پر ایمان قلبی و حقیقی تھا، اور ہمارا زبانی، ان حضرات کو حضورؐ کے ارشادات وقرآن پر اتنا زیادہ قطعی یقین ہوتا تھا کہ اس میں کسی قسم کے تردد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا، اور ہم لوگوں کی زبان پر سب کچھ ہے، اور دل میں کچھ بھی نہیں، اس قسم کے مختلف واقعات سناتے رہتے تھے، سبق کے علاوہ یہ مضمون اور اس کے نظائر حضرت کی مجالس میں بہت کثرت سے آتے ہیں، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

ہمارے مدرسہ مظاہر علوم کے بانیوں میں ایک حافظ فضل حق صاحب تھے جن کے صاحبزادے حافظ زندہ حسن مرحوم تھے، ان کا تکیہ کلام ''اللہ کے فضل سے'' تھا، درحقیقت انہوں نے اپنے والد حافظ فضل حق صاحب سے اس کو لیا تھا، حافظ زندہ حسن صاحب کو دیکھنے والے تو اب بھی بہت سے لوگ موجود ہیں، اسی لئے میں بھی ان کا نام لیا کرتا ہوں، حافظ فضل حق صاحب حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہ کے جان نثاروں میں تھے، اور انہیں کی کوشش سے مدرسہ مظاہر علوم قاضی

کے محلّہ سے یہاں آیا تھا ایک روز حافظ صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ''حضرت اللہ کے فضل سے آج رات اللہ کا غضب ہو گیا'' حضرت مولانا ہنس پڑے اور پوچھا، حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہوا؟ کہنے لگے حضرت جی! آج رات تین چار چور میرے مکان میں داخل ہوئے میں ان کو دیکھ کر بیٹھ گیا، اور میں نے ان سے پوچھا ارے تم چور ہو؟ کہنے لگے ''ہاں ہم چور ہیں'' میں نے کہا سنو! میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ سہارنپور کے رؤسا میں میرا شمار ہے، اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے ہی پاس ہے، اور یہ سارا اس کوٹھری میں ہے جس پر تم بیٹھے ہو، وہ مدرسہ کے خزانچی تھے، اس میں صرف چھ پیسے کا معمولی تالا لگا ہوا ہے، مگر یہ تالا تم سے کیا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا، صبح تک ٹھوکتے رہو، حضرت جی! میں تو جا کر سو گیا، اور وہ صبح تک ٹھوکتے رہے، میں نے ان سے کہا کہ میں نے مولوی جی (حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی) سے سنا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے، وہ مال اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، اور میں نے اس مال کی پوری زکوٰۃ دے رکھی ہے، بلکہ اس سے کچھ زائد، پس اللہ کے فضل سے وہ صبح تک ٹھوکتے رہے، حافظ جی نے فرمایا کہ میں تو سو گیا یہ بھی حافظ صاحب کے یقین و اعتقاد کی بات تھی، ورنہ گھر میں چوروں کی موجودگی میں کون سو سکتا ہے، حافظ جی نے کہا کہ جب سحر کے وقت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ ٹھوک رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں سے کیا تمہارے باپ سے بھی نہیں کھلے گا، چنانچہ وہ چور بھاگ گئے۔

ارشاد فرمایا: کہ مرزاپور بیلوں میں انگریزوں کی پہلے کثرت سے تجارتی

کوٹھیاں اور بنگلے تھے، جن میں وہ آ کر کبھی کبھی رہا کرتے تھے، ورنہ عام طور پر وہ کلکتہ، بمبئی، دلی رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہاں آگ لگ گئی، ایک انگریز مسلمان ملازم بھاگا ہوا دلی آیا، اور اپنے افسر سے کہا کہ وہاں سارے مکانات میں آگ لگی گئی ہے اور وہ جل رہے ہیں، آپ کا مکان بھی جل گیا ہوگا، وہ انگریز کچھ لکھا رہا تھا، وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا، اور اس نے کہا کہ میرا مکان محفوظ ہے، کیوں کہ میں مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتا ہوں اور میں نے سن رکھا ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ جو دین محمدیؐ کے مطابق زکوٰۃ نکالے، اس کا مال ہر طرح کی آفات سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے میرا بنگلہ محفوظ ہے، چنانچہ بعد میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں کے سارے بنگلے جل گئے، سوائے اس انگریز کے بنگلہ کے، یہ قصہ بچپن میں میں نے سنا تھا۔

ارشاد فرمایا: یقین واعتقاد پر سب کچھ ہوتا ہے، ہمارے بابو عیاض مرکز نظام الدین کے ایک مبلغ کا قصہ ہے کہ ۴۷ء کے ہنگامہ میں جو قیامت صغریٰ دلی میں برپا تھی، ایسی حالت میں باہر کسی کی آمد و رفت مشکل اور دشوار تھی، اس زمانے میں میرا قیام بھی نظام الدین میں تھا، راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا، جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، سارے سکھ آباد تھے، بابو عیاض اس کو لینے کے لئے تنہا سبزی منڈی گئے، واپسی میں انہوں نے ایک تانگہ کیا، اس پر تین سکھ بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپس میں اشارہ کرنے لگے کہ اس کا کام تمام کر دیا جائے، بابو جی نے ان کی باتوں کو سن کر کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو، تین کے بجائے تیس ہوتے جب بھی تم لوگ میرا کچھ نہیں کر سکتے تھے، وہ سکھ حیرت زدہ مرعوب ہو گئے، اور آپس میں باتیں کرنے لگے، جب نظام الدین قریب

آیا تو اس وقت بھی بابو جی نے کہا کہ اب بھی جو کرنا چاہتے ہو کرلو، آگے میرا علاقہ ہے مگر وہ خاموش رہے، نظام الدین پہونچ کر بابو جی تانگے سے اترے تو ان سکھوں نے کہا کہ ملا جی! ہم تمہیں مار تو نہیں سکے لیکن ایسی حالت میں اس طرح بے خوف ہو کر کس طرح بات کر رہے ہو؟ بابو جی نے کہا کہ میں کھڑا ہوں، اب بھی جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو، مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی جب انہوں نے آکر ہم کو یہ قصہ سنایا تو ہمیں بھی حیرت ہوئی، انہوں نے کہا کہ حضرت جی! آپ نے دعا بتلائی تھی ''اللّٰھم إنا **نجعلک فی نحورھم و نعوذبک من شرورھم**'' میں جب کہیں جاتا ہوں تو آتے جاتے ہر وقت یہی دعا پڑھتا ہوں، اس لئے اطمینان تھا۔

ارشاد فرمایا: اگر واقعی یقین و اعتقاد سے عمل کیا جائے تو اب بھی اِن دعاؤں میں وہی تاثیر ہے۔

اضافہ از مرتب:

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ٹائم ٹیبل کا قصہ:

ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے مجھ پر اور ہر شخص پر بہت سے احسانات ہیں، ''**وان تعدوا نعمة الله لا تحصوھا**'' (اور اگر تم لوگ اس کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے) اللہ کا شکر ہے کہ ع غ (آپس کے اختلافات) کے باوجود لوگوں کو مجھ پر اعتماد رہا ہے، چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نور اللہ مرقدہ) کے انتقال کے بعد لکھنؤ ندوۃ العلماء میں ایک تبلیغی اجتماع رکھا گیا، مولانا علی

میاں اور مولانا منظور نعمانی کی آمد چچا جانؒ کے زمانے سے تھی، یہ حضرات دل و جان سے چچا جانؒ کے معتقد تھے اور مولانا یوسف صاحبؒ سے بھی ایسے ہی رہے، ان لوگوں کی کوشش سے ندوہ میں تبلیغ آئی، آج کل مظاہر و دیوبند سے زیادہ وہاں تبلیغی کام ہوتا ہے، البتہ علی گڑھ سے کم ہے، جو واقعہ میں سنانا چاہتا ہوں وہ اس زمانے کا ہے کہ جب مشاورت وغیرہ شروع نہیں ہوئی تھی اور سیاست کے میدان میں ان دونوں حضرات نے قدم نہیں رکھا تھا، جب ان دونوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارے بس کا یہ کام نہیں ہے، (بعد کے واقعات سے اس کی تصدیق بھی ہوگئی، ازت) مگر ملکی حالات سے یہ مجبور تھے، مولانا یوسف صاحبؒ سے ان سارے تعلقات کے باوجود بعض چیزوں میں ان حضرات کو اختلاف بھی تھا، وہ یہ کہ مولانا یوسف صاحب کے یہاں کوئی نظام نہیں تھا، اور یہ حضرات نظام وقواعد سے کام کرنا چاہتے تھے، میں بھی ان دونوں کے ساتھ تھا لکھنؤ کے اجتماع سے پہلے علی میاں یہاں بڑی عقیدت سے تشریف لائے اور کہا کہ ہم لوگ اجتماع کر رہے ہیں، اور یہ طے کیا گیا ہے کہ جماعتیں پہلے سے آجائیں، اور مولانا یوسف صاحب تیسرے دن اجتماع میں شریک ہوں، تاکہ اس سے پہلے ہم لوگ وہاں کی فضا کو ہموار کردیں، میں نے مولوی یوسف سے کہہ دیا کہ جلسہ میں تیسرے دن شریک ہونا، میں نے قصداً علی میاں کا نام نہیں بتایا، مگر شاید وہ سمجھ گئے، وہ ہمیشہ میری باتوں کا لحاظ کرتے تھے، اور اسی پر عمل کرتے تھے، چنانچہ مولوی یوسف تیسرے دن شریک ہوئے اور ان کی پہلی ہی تقریر میں سو نام آئے، سب کو تعجب ہوا، یہ ایک اصولی بات ہے کہ کام قواعد سے ہونا چاہئے، مگر اکثر بے قاعدہ ہی ہوتا ہے، علی میاں جب مصر تبلیغ کے لئے گئے تو ان کا خط

آیا کہ یہاں آکر سب قواعد غائب ہو گئے۔

انسان کے مقدر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے:

ارشاد فرمایا: میں نے ۴۰ھ کے آس پاس ایک رسالہ ’’تقدیر‘‘ پر لکھا تھا، اس میں میں نے لکھا تھا کہ جو آدمی کے مقدر میں ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے ورنہ اس سے کم ملتا ہے، اس میں میں نے بہت سی مثالیں لکھی تھیں، میرے مکان کے سامنے جو نیا مکان ہے، وہاں پر ایک پرانا مکان تھا، شہر میں جو ڈپٹی کلکٹر آتا تھا، اس میں رہتا تھا، ایک خانساماں تھا، وہ نہیں بدلتا تھا، اس سے میرے تعلقات ہو گئے تھے، اس سے میں پوچھتا تھا کہ کیا پکتا ہے وہ بتاتا تھا کہ میں یہ چیزیں کھاتا ہوں، اگر اللہ نے کرم فرمایا اور کوئی دینی تفوق عطا فرمایا تو پیر بن کر کھائے گا، یا ڈپٹی کلکٹر بن کر ورنہ خانساماں بن کر کھائے گا، تعویذوں کی بدولت ہر آنے والے کے گھر کے حالات پوچھ لیتا تھا، کہ کیا آمد ہے اور کیا کھاتے ہو، وہ یہ سمجھ کر کہ تعویذ میں اس کی ضرورت ہے سب بتلا دیتا تھا۔

اس زمانے میں ایک جج یہاں آیا، اس کی والدہ بیمار رہا کرتی تھیں، وہ میرے یہاں تعویذ لینے آیا، میں نے اس سے پوچھا کہ گھر میں کیا پکتا ہے، اس نے کہا کہ ارہر کی دال اور روٹی، والدہ صاحبہ بیمار ہیں، ایسی صورت میں اور کیا پکے گا، اس زمانے میں کلکتہ سے ایک اخبار نکلتا تھا، اس میں ایک واقعہ لکھا تھا کہ ایک انگریز جو ایک بڑی کمپنی کا مالک تھا، ایک گھنٹہ میں ہزاروں کی آمدنی کرتا تھا، لیکن اس کی صحت خراب تھی، ڈاکٹروں نے اس کے لئے ارہر کی دال کا پانی بے نمک کے تجویز کر رکھا تھا، اس رسالہ میں میں نے لکھا تھا کہ کار پر چڑھنا اگر مقدر میں ہے تو حضرت جی بن

کر بیٹھے گا یا لیڈر بن کر، چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت رائے پوریؒ دلی تشریف لے گئے، تو ۱۲، ۱۳ کاریں ساتھ رہتی تھیں، اگر یہ نہ ہوگا، تو کم از کم ڈرائیور بن کر بیٹھے گا۔

جیل خانہ اگر مقدر میں ہے تو حضرت مدنیؒ بن کر جائے گا، یا چور بن کر جائے گا، بہر حال جانا پڑے گا، اس رسالہ میں میں نے کچھ آدمیوں کے اندازے لکھے تھے، (۱) بعض آدمیوں کی غذا ۴، ۵ آنے تک ہوتی ہے (۲) بعض آدمیوں کی غذا ۸، ۱۰ آنے (۳) اور بعض لوگوں کی ایک روپیہ دو روپیہ ہوتی ہے، جب آدمی معمولی آمدنی پاتا ہے تو اپنا کام خود کر لیتا ہے، کپڑے خود دھو لیتا ہے، اگر اس کی آمدنی ۵۰، ۶۰ روپئے سے زائد ہوئی، تو دھوبی کے یہاں کپڑے بجھوائے گا، اور اگر سو ڈیڑھ سو روپئے آمدنی ہوئی تو اسی اعتبار سے ضروریات زندگی بڑھاتا جائے گا۔

ایک رئیس کا لڑکا تھا، باپ کا انتقال ہو گیا تھا، ماں کے قابو میں نہیں تھا، وہ لڑکا منچلا تھا، اور اس کو اپنی ریاست کا گھمنڈ بھی تھا، گلستاں کا ایک شعر آیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ مقدر میں ہو گا وہ مل کر رہے گا۔

اس لڑکے نے اپنے استاد سے کہا، مولوی صاحب! ''اگر میں کھانا نہ کھانا چاہوں تو کون مجھے کھلائے گا؟'' غرور گھمنڈ تو تھا ہی، ماں کے پاس آیا، اور کہا کہ کتاب جھوٹی ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''اگر مقدر میں ہے تو جوتا کھا کر کھانا ملے گا'' اب میں کھانا نہیں کھاتا، مجھے کون کھلائے گا ماں نے اپنی محبت سے اس کی خوشامد کی، مگر وہ خفا ہو کر گھر سے باہر قبرستان میں شام کو چلا گیا، ماں کو فکر ہوئی کہ کہاں ہے، تلاش کرایا، لوگوں نے بتایا کہ وہاں قبرستان میں ایک درخت کے نیچے ہے، چنانچہ ماں نے شام کو نہایت عمدہ خوشبودار پلاؤ پکایا، اور رات میں اس کے قریب لے کر گئی، اس کی بہت

خوشامد کی، مگر کسی طرح کھانے کے لئے تیار نہ ہوا، اور نہ وہاں سے گھر آیا، بالآخر ماں وہاں سے واپس آ گئی، خوشبو اس کے آس پاس آ رہی تھی، آدھی رات کو ڈاکوؤں کی ایک جماعت آ رہی تھی وہ آپس میں کہنے لگے، اجی یہاں پلاؤ کی خوشبو آ رہی ہے، قریب جا کر دیکھا تو وہاں ایک لڑکا ہے اور اس کے قریب پلاؤ ایک برتن میں رکھا ہوا تھا، ان سبھوں نے اس لڑکے سے پوچھا ''کہ یہ پلاؤ کیسا ہے؟'' اس نے کہا بہت اچھا آپ لوگ کھالیں، مگر ان ڈاکوؤں کو اس جواب سے شبہ ہوا کہ کہیں اس میں زہر نہ ملا ہو، اس لئے اس لڑکے کو پہلے اس میں کھالینا چاہئے، جب اس سے کھانے کے لئے کہا، اس نے انکار کیا، ان کو اس سے اور شبہ بڑھا، ایک نے جوتا نکالا اور ایک گال پر ایک جوتا لگایا کہ کھاؤ، اس نے کھایا، پھر دوسرے گال پر لگایا کہ ادھر سے کھاؤ، پھر تیسرا لگایا کہ نیچے سے بھی کھاؤ، غرض جوتا لگا لگا کر چاروں طرف سے اور اندر کا پلاؤ بھی اس کو کھلایا، اس کے بعد ان سبھوں نے کھایا، وہ لڑکا خالی برتن لے کر ماں کے پاس آیا اور کہا کہ ''اماں! پلاؤ بھی کھائی اور جوتے بھی کھائے، کتاب سمجھ میں آ گئی، اب پڑھنے جاؤں گا''۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! یہ ہنسنے کی چیز یں نہیں، کیوں مالداروں اور مدرسہ کے مہتمموں کی خوشامد کرتے ہو؟ ہر دانہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کس کے منھ میں جائے گا۔

کابل سے ایک صاحب نے انگور کی ایک ٹوکری پشاور کے ایک صاحب کے یہاں ہدیہ بھیجا، انہوں نے لاہور اپنے ایک دوست کو بھیج دیا، وہ صاحب میرے چچا جانؒ کے مرید تھے، انہوں نے مستقل ایک آدمی کے ذریعہ چچا جانؒ کے پاس نظام الدین بھیجا اور چچا جانؒ نے اس کو میرے پاس بھجوا دیا، میں نے مولوی نصیر کی پہلی

بیوی کے پاس اس میں سے چند دانے بھیج دیئے، پھر میں نے غور کیا کہ اللہ نے اس اجنبی گمنام کے پاس بھیجنے کا کس طرح انتظام فرمایا، اور اس کے مقدر کا حصہ کس طرح پہونچایا۔

ارشاد فرمایا: ہم نے یہ سنا ہے کہ روزی کے ہر ہر دانہ پر مہر لگی ہوئی ہے جس کے جو مقدر میں ہوگا وہ آ کر رہے گا، کاش یہ باتیں ہمارے دل میں اتر جاتیں۔

ایک صاحب ایک مسجد میں گئے اور ملا سے کہا کہ رات میں تمہاری مسجد میں گذارنا چاہتا ہوں، ملا کو نئے آدمی کی فکر ہوتی ہے، ملا کے پاس محلّہ سے کھانا آیا تھا، اس نے ان صاحب کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی، انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں مرغ پلاؤ کھایا کرتا ہوں، تم اپنا کھانا کھاؤ، ملا کو بڑا غصہ آیا اس نے کہا کہ مرغ پلاؤ کے انتظار میں رات بھر بھوکے رہو، دیکھو کہاں سے تمہیں مرغ پلاؤ ملتا ہے، نصف رات کو ایک آنے والے نے آ کر مسجد کے دروازے کو دستک دی، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب ایک طباق میں مرغ پلاؤ لئے ہوئے ہیں، انہوں نے کوئی منت مانی تھی، جس کو پورا کرنے کے لئے اس وقت لائے تھے، چنانچہ ملا حیران، ان صاحب کو جگایا، انہوں نے کھایا، اور اس میں ملا بھی شریک رہا، صبح کو بچے ہوئے حصہ کو ملا نے کہا کہ ساتھ لیتے جاؤ، راستے میں ضرورت پڑے گی، انہوں نے کہا کہ میری جو روزی ہے وہ مل کر رہے گی، جیسے یہاں ملی ہے۔

نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب عارف باللہ اور متوکل تھے، ایسے لوگوں کے اس طرح کے بکثرت واقعات ہیں۔

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ تھے، انہوں نے ایک مسجد میں آ کر ملا سے کہا کہ

میں مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتا ہوں، ملا نے کہا کہ ''اعتکاف تو کرو گے مگر کھاؤ گے کیا؟ انہوں نے فرمایا روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ملا سے مناظرہ ہوتا رہا، اتنے میں امام صاحب بھی آ گئے جو کچھ پڑھے لکھے تھے، وہ بھی اس مناظرے میں ملا کے ساتھ ہوگئے، بالآخر وہ بزرگ مسجد سے باہر آئے، مسجد کے نزدیک ایک ہوٹل والے کے یہاں جتنے دن کا اعتکاف کرنا چاہتے تھے، ان کے کھانے کا انتظام ہوگیا، چنانچہ وہ مسجد میں واپس آئے اور امام و ملا سے کہا کہ میرا نظم ہوگیا ہے امام صاحب خوش ہوئے، انہوں نے کہا کہ اچھا آپ میری مسجد میں اعتکاف ضرور کریں، اس پر ان بزرگ کو غصہ آیا، اور امام کے منھ پر تھوک کر چلے آئے کہ ایسی مسجد کے امام کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھوں گا، اور نہ یہاں اعتکاف کروں گا جس امام کو اللہ جل شانہ کی ذات عالی پر اعتماد نہ ہو اور ہوٹل والے پر اعتماد ہو۔

بیشک دنیا دار الاسباب ہے، مگر توکل کی یہ باتیں دل میں اتارنے کی ہیں، ہمارے اکابر ترک اسباب کا حکم نہیں دیتے، بلکہ یہ فرماتے ہیں دینے والا مالک کو سمجھا جائے اور تھوڑا بہت ہاتھ پیر بھی مار لیا جائے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''الدر الثمین'' میں تحریر فرمایا ہے ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روحانی سوال کیا کہ توکل و اسباب میں کیا افضل ہے؟ آپ نے ایک روحانی توجہ مجھ پر ڈالی، اس کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کے اسباب میں سے کسی چیز سے تعلق نہ رہا، حتیٰ کہ اہل و عیال کی طرف بھی التفات نہ رہا، طبیعت ہٹ گئی گویا توکل تام کا ظہور ہوا، اس کے بعد دوسری بار آپ نے توجہ ڈالی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ باطن تو وہیں رہا، البتہ ظاہر میں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، یہ مضمون حضرت گنگوہیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے، اس

لئے میرے دوستو! بہت غور سے اس کو دل میں اتارو، تم حضرات اسی مقصد کے لئے یہاں آئے ہو خاص طور سے علماء کرام کو خطاب فرمایا، اس کے بعد کیمیا گر کا قصہ سنایا، جو اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

تقدیر و تدبیر کی لڑائی:

ارشاد فرمایا: ایک کہانی میں نے اپنے والد صاحب سے سنی تھی، ایک مرتبہ تقدیر و تدبیر کی آپس میں لڑائی ہوئی، تدبیر کہنے لگی، لوگ بدتمیزی و بدسلیقگی سے کام کرتے ہیں، اگر کوئی انتظام سے کھائے تو کیوں بیمار ہو اور اس کے فوائد بتائے، تقدیر سنتی رہی، آخر میں اس نے چپکے سے کہا بشرطیکہ میں بھی ساتھ ہوں، درمیان میں ایک کہانی اور سن لو، ایک صاحب گھوڑا خریدنے گئے تھے، وہاں ان کے ایک دوست مل گئے، ان سے کہا کہ کل ہم گھوڑا خریدیں گے، انہوں نے کہا انشاء اللہ، تو وہ کہنے لگے کہ انشاء اللہ کیا کرے گا، کل تو میں گھوڑا خریدوں گا، رات میں سوئے، کسی نے جیب کاٹ لی، دوسرے دن بازار لگا، تو یہ افسوس کرتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے، کسی نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو، کہنے لگے انشاء اللہ گھوڑا خریدنے گیا تھا، انشاء اللہ جیب کٹ گئی، انشاء اللہ گھر افسوس کرتے ہوئے واپس جا رہا ہوں، بہر حال تقدیر نے کہا کہ بشرطیکہ میں بھی ساتھ ہوں، دونوں میں مناظرہ ہوا، اور تین دن کی شرط قرار پائی کہ دیکھا جائے کون غالب آتی ہے، ایک آدمی مچھلی فروش تھا، تدبیر آدمی کی صورت میں اس کے پاس آئی، اور اس سے کہا کہ تم کیوں مارے مارے پھرتے ہو، میں تمہیں ایک ہیرا دیتا ہوں اس کی قیمت کوئی بادشاہ دے سکتا ہے، یا کوئی بہت بڑا جوہری، اور اس سے تم کو لاکھوں مل جائیں گے، اس نے سوچا کہ پہلے نہالوں اور کپڑے بدل

لوں، پھر بادشاہ یا جوہری کے پاس جاؤں گا، دریا کے کنارے اس موتی اور کپڑے کو رکھ کر نہار رہا تھا کہ دریا میں آیا جوش، وہ موتی اور کپڑے سب پانی میں چلے گئے، اس نے رونا و چلانا شروع کیا، چنانچہ دوسرے دن تدبیر پھر آدمی کی صورت میں آئی، اور اس کو ایک سونے کا ہار دیا، اور اس کو بہت تاکید کردی کہ کل کی طرح حماقت نہ کرنا، دیکھو نہانا نہیں، یہ بڑا قیمتی ہار ہے، چیل لال چیز کو گوشت سمجھتی ہے، میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے، جس سال چچا جانؒ کا انتقال ہوا، اس سال میں رمضان کا اعتکاف کرنے نظام الدین گیا، ۲۹/رمضان کو مغرب کی پہلی رکعت میں میں بے ہوش ہو کر گر پڑا، ۱۸/دن تک خوب بخار آتا رہا، اس سے پہلے میں دور کی عینک بھی لگاتا تھا، اور سر پر عمامہ بھی رہتا تھا، حضرت مدنیؒ کی اقتدا میں سردی میں کھدر کا اور گرمی میں ململ کا ہوتا تھا، پھولوں کا شوق تھا، احباب کثرت سے لایا کرتے تھے، میں اپنے کالے ڈوپٹے میں پھول ڈال کر سر پر عمامہ باندھا کرتا تھا، ایک مرتبہ اسی طرح عمامہ باندھ کر ابوداؤد شریف پڑھانے چلا، چیل آئی، اور اُچک لے گئی، پھول بھی گر گئے اور دور جا کر ڈوپٹہ بھی چھوڑا، بخاری شریف پڑھانے والے ایک بچی کے ہار کا قصہ جانتے ہوں گے۔

بہرحال چیل آئی، اور ایک جھپٹ مار کر ہار لے اڑی، تیسرے دن تدبیر پھر آئی اور اس سے کہا کہ تم بڑے نالائق ہو، اور اس کو خوب زجر وتنبیہ کی اور نصیحت کر کے سو روپئے دیئے کہ اس سے تجارت کرو، چنانچہ وہ اپنے کپڑے باندھ کر گھر آیا، معلوم ہوا کہ اہلیہ محترمہ کسی اور کے گھر گئی ہیں، اس نے جلدی سے چولہے کے درمیان سے آگ ہٹا کر اور اس میں روپئے رکھ کر بیوی کی تلاش میں چلا گیا، اس زمانے میں روپئے چاندی کے ہوا کرتے تھے، اتنے میں پڑوس کی ایک عورت آگ لینے آئی اور

سب کچھ اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی، یہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ روپئے غائب ہیں، پریشان ہوا۔

اب تدبیر کی ناکامی ظاہر ہوگئی، بیوی نے کہا کہ یہ سب چھوڑو، گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے، مچھلی مار کر لاؤ، چنانچہ دریا سے مچھلی مار کر لایا، اور جلانے کے لئے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا، وہاں ایک گھونسلہ ملا، اس میں وہ چیل والا ہار مل گیا، مارے خوشی کے شور کرتے ہوئے گھر آیا، پڑوسن نے سمجھا شاید میری چوری کا حال معلوم ہوگیا، اس نے لاکر سو روپئے واپس کئے، اور کہا کہ کہیں اس طرح رکھا کرتے ہیں، جب مچھلی کا پیٹ پھاڑا، تو اس میں موتی بھی مل گیا، اس پر تقدیر نے کہا کہ ہمارا کام تو چٹکیوں میں ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اسباب بضرورت اختیار کرو، مگر مالک پر نظر رکھو، دینے والا وہی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ اسباب کو اختیار نہ کیا جائے، مگر اس کو مقصود واصل نہ سمجھو۔

منجانب اللہ سفر حج کے انتظامات اور مدرسہ کی تنخواہ نہ لینے کا واقعہ:

ارشاد فرمایا: مقدر میں جو ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے، میں نے اتنی مرغی کھائی ہیں، شاید ہی کسی بزرگ یا رئیس کو نصیب ہوئی ہوں گی، ۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے ساتھ سفر حج میں جانا ہوا، پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا، عین وقت پر اللہ نے انتظام فرمادیا، میرا ہر سفر ایسا ہی ہوا ہے کہ جا رہا ہوں یا نہیں، پندرہ شعبان کو وہاں قرعہ میں نام لکھ دیا جاتا ہے جس کا نام لکھ دیا جاتا ہے وہ جا کر رہتا ہے۔

۴۴ھ میں میرا سفر حج کا ارادہ بالکل نہیں تھا، چونکہ حضرت سہارنپوریؒ کا ایک سال کے لئے حجاز مقدس میں قیام کا ارادہ تھا، شعبان ۴۴ھ میں حضرت قدس سرہ نے

اپنی غیبت کے لئے جو انتظامات لکھوائے اس میں اس سیہ کار کو صدر مدرس بنایا اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم کو ناظم مدرسہ، مجھے اتفاقاً اس تحریر کو دیکھنے کا موقع مل گیا، بناوٹ سے نہیں کہہ رہا ہوں، اس کو دیکھ کر میں چکرا گیا، میرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ میرے بس کا نہیں ہے، صدر مدرس کے فرائض بہت سخت تھے، حضرتؒ کے سفر میں چار پانچ دن باقی رہ گئے تھے، میں نے موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا، حضرت ''بذل'' کا کیا ہوگا؟ فرمایا تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا، اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں، میں نے صدر مدرسی سے بچنے کے لئے عرض کیا کہ میں بھی قرض لے کر چلوں گا، مجھے خوب یاد ہے حضرت کا چہرہ اس وقت خوشی سے کھل گیا، حضرت نے فرمایا کہ تمہاری مدرسہ میں تنخواہ بھی کچھ جمع ہے، اس کی شرح یہ ہے، ۳۵ھ میں جب میں ملازم تھا، تو اس وقت میری تنخواہ ۱۵ روپئے تھی، یہ میرے ساتھ خصوصیت برتی گئی، مولانا منظور احمد صاحبؒ کی ابتدائی تنخواہ چار روپئے تھی، اس وقت بڑے حضرت رائے پوری قدس سرہ نے میرے لئے سفارش کی کہ یہ تنخواہ کم ہے، کم از کم پچیس روپئے ہونی چاہئے، اور مجھ سے یہ فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو تنخواہ چھوڑ دیجیو۔

حضرت اقدس رائے پوری کے ارشاد پر میرا جی چاہتا تھا کہ تنخواہ لینا چھوڑ دوں مگر میرے ذمہ قرض تھا، اور میرے حضرت بھی تنخواہ لیتے تھے، میرے والد صاحب نے کبھی نہیں لی، اس لئے اس کے چھوڑنے میں ایک طرح کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی، اس لئے کسی مہینے میں لیتا تھا اور کسی مہینے میں ترک کر دیتا تھا، حضرت نے فرمایا کہ تمہاری تنخواہ رکی ہوئی ہے، میری تنخواہ کے نو سو پینتالیس روپئے جمع تھے، اس

زمانے میں حج کے اخراجات زیادہ سے زیادہ چھ سو روپئے تھے، میں نے عرض کیا کہ جس مہینے میں میں نے تنخواہ نہیں لی ہے اس میں اسی نیت سے میں نے پڑھایا ہے، حضرت نے فرمایا تم اجیر تھے اور مدرسہ مستاجر تمہیں یک طرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق تھا، حضرت ناظم صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا، حضرت بہت خوش ہوئے، حضرت سے مجھے بات کرنے میں تکلف تھا، مگر حضرت ناظم صاحب سے خوب مناظرہ ہوا، میں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے دینا چاہیں دے دیجئے، آپ مدرسہ کے امین ہیں، حضرت اقدس تھانویؒ مدرسہ کے سر پرستوں میں سے تھے، اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم میری ان سے بے تکلفی تھی، میں نے ان سے کہا کہ جب حضرت کے یہاں مدرسہ کے کاغذات آئیں تو میری تنخواہ نامنظور کرا دیجئے، مگر حضرت تھانوی نے لکھا کہ ان کو تنخواہ ضرور ملنی چاہئے، مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی سر پرستوں میں سے تھے، انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔

حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمہاری جمع شدہ تنخواہ مدرسہ سے لے لی ہے چنانچہ مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد حضرت رائے پوریؒ کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب آیا تھا کہ میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں تھا، البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے، مگر آپ کو معلوم ہے کہ مجھ سے اس رقم کا جمع ہونا ناممکن ہے، اس طرح بالفعل میری طرف سے صرف ایک ہزار روپئے کا وعدہ، اس طرح تحریر فرمالیں کہ اس ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ

پانچ روپئے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیرالدین سے اور بعد واپسی کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں، اگراس کے پورا ہوجانے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تواس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے کہ متروکہ سے وصول کی جائے، الخ محررہ از مدینہ منورہ۔

۵/جمادی الاولیٰ ۴۵ھ اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہوگئی تو مجھے رائے پوری جذبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کر دی جائیں، اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں، **فللّٰہ الحمد و المنّہ**، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''آپ بیتی ۲''۔

۸۴ھ سے پہلے مولوی یوسف مرحوم کے اصرار پر سفر حج ہوا تھا، اس نے کہا کہ آپ کا جانا ضروری ہے، میں نے کہا کہ تم تو خود مستقل ہو، میری کیا ضرورت؟ مگر ان کے اصرار پر جانا ہوا، ۱۳۵۶ھ کا سفر حج اس طرح ہوا تھا کہ میں نظام الدین مولوی انعام کو پہونچانے کے لئے آیا، اوران کی روانگی کی رات میں سفر طے ہوا، ٹکٹ مولوی سلیم نے رمضان ہی میں بھیج دیا تھا، میں نے انکار کیا، پاسپورٹ بھی کھوگیا، مگراسی دن سب کچھ نظم ہوگیا۔

قصہ یہ ہوا کہ بھائی سلیم نے خواب دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ گیا اور جبل ابوقبیس پر ٹھہر گیا، انہوں نے خود ہی یہ تعبیر نکالی کہ مولوی انعام وہارون آرہے ہیں ان کا ٹکٹ نہیں بھیجا گیا، اس لئے خفا ہوکر الگ ہیں، فوراً ٹکٹ بھیج دیا۔

میں یہ بیان کررہا تھا مقدرات پورے ہوکر رہیں گے، جس کے مقدر میں مرغ کھانا ہے وہ مرغ کھاتا رہے گا۔

۱۳۴۵ھ کے سفر حج میں حضرت رائے پوریؒ اپنے خدام کے ساتھ تھے، اور میں اپنے قافلہ کے ساتھ، ایک جگہ پڑاؤ ہوا، میں حاضر ہوا تو کچھ کھانے کا تذکرہ ہوا، میں نے عرض کیا کہ ہمارے قافلہ میں کھچڑی پکی تھی، حضرت نے فرمایا میں نے مرغ کھایا تھا میں نے اس کا گلہ کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ہم اس کا کفارہ ادا کریں گے، میں نے عرض کیا، حرم کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، یہاں کے مرغ کا کفارہ ایک مرغ سے نہیں ادا ہوسکتا، فرمایا اچھا ہم ادا کریں گے، چنانچہ واپسی کے سفر میں ان خدام سے جو ملنے آتے رہے مزاحا فرماتے رہے کہ شیخ کے ایک لاکھ مرغ میرے ذمے ہیں، مجھے کفارہ ادا کرنا ہے، چنانچہ ہر جگہ کثرت سے مرغ پک پک کر آتے تھے یہاں سے میرے مرغ کھانے کی ابتدا ہوئی، اور خوب کھایا، اب تو ہم کھانے کے قابل نہ رہے۔

اضافہ: گذشتہ سفر حجاز مقدس میں حضرت اقدس مدفیوضہم کی خصوصی مجلس عشاء بعد ہوتی تھی، اس وقت حضرت اقدس کبھی کسی چیز کو تناول فرماتے یا بطور تفکہ کے کوئی چیز چکھ لیتے تھے، بفضلہٖ تعالیٰ بیس بائیس قسم کی چیزیں اکٹھا ہو جاتیں، جو لوگوں میں تقسیم کی جاتیں، یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے شام کے وقت کھانا کھانے کا معمول نہیں ہے، اس موقع پر ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے بزرگ دیکھے ہیں مگر یہ کہیں نہیں دیکھا کہ رزق چاروں طرف سے اڈتا ہوا آرہا ہو، حضرت اقدس مدفیوضہم کی واپسی کے بعد کچھ مخلصین نے حضرت کی یاد میں اس مجلس کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا، دو چار روز تک لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانے کی چیزیں لاتے، اور ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے پھر یہ دیکھ کر کہ اپنا اپنا کھانا لانا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا اگر صرف

یہی ہے تو اس سے بہتر اپنے گھروں پر ہی کھالینا ہے، مجلس ختم کردی گئی۔

روزی انسان کوتلاش کرتی ہے:

ارشادفرمایا: ہم نے خوب سنا ہے کہ دنیا سے جس قدر کوئی بھاگے گا اسی قدر وہ آتی ہے اور جس قدر قریب جائے گا، اسی قدر وہ بھاگتی ہے، یہ میرا اشکال ہے، حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا ''حضرت دنیا کو دین بنا کر حاصل کیا جائے تو اس میں کیا حرج؟''

اس کے بعد ایک قصہ سنایا کہ میرے والد صاحبؒ کے پاس کئی خادم رہتے تھے، اب تو طلباء کرام ذرا اونچے ہو گئے، بھائی سعید صاحب گنگوہی کے یہاں بھی کئی خادم رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ میرا دیوبند جانا ہوا، تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا، میں نے کہا کہ خدام کہاں گئے تو انہوں نے کہا کہ اب نہیں ہیں، پہلے زمانے میں طلباء اساتذہ کی خدمت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے، تو دوڑے دوڑے پھرتے تھے تقسیم سے پہلے یہاں پیشاوری طالب علم کثرت سے آیا کرتے تھے اور قریب کی مسجد بہادران میں ٹھہرا کرتے تھے، میرے والد صاحب ایک دفعہ گرمی کے موسم میں کنویں کے قریب بیٹھے ہوئے غسل کر رہے تھے اور یہ طلباء کنویں سے پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈال رہے تھے، ایک وکیل صاحب اتفاقاً وہاں آ گئے، انہوں نے کہا کہ حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا جی نہیں ہم مولویوں کے لئے اسراف نہیں ہے اور تمہارے لئے ہے، مولوی دنیا کو دین بنا کر کام کرتا ہے، یہ غسل برائے تبرید تھا، اگر غسل مسنون ہوتا تو تین ہی مرتبہ پانی ڈالتے، اس فرق کو وکیل صاحب نہیں جانتے تھے۔

میں نے جو کچھ کہا کہ دنیا سے جو جس قدر بھاگے گا، اسی قدر وہ پیچھے آئے گی، اس پر طالب علمانہ اشکال و جواب نہیں آتا ہے، میں نے مقدر والا قصہ سنایا تھا، آدمی کے مقدر میں جو کچھ ہوگا، وہ مل کر رہے گا، اور دانے دانے پر مہر لگی ہوئی ہے، پھر ہم دنیا کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بھیک مانگیں تو ملے گا، ورنہ نہیں ملے گا۔

حضرت مولانا نانوتوی کا قصہ ہے حضرت دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب میرٹھ سے آئے اور حضرت کی خدمت میں اس زمانے کے دوسو روپئے پیش کرنا چاہا، حضرت نے انکار فرمادیا، وہ خوشامد کرتے رہے اور یہ عرض کیا کہ حضرت طلباء میں بانٹ دیں، حضرت نے فرمایا کہ تم خود کیوں نہیں بانٹ دیتے، مجھے یہ کام نہیں آتا، وہ خوشامد کرتے رہے، جب مجلس سے اٹھے تو وہ روپئے حضرت کے جوتوں میں پڑے ہوئے تھے، حضرت نے اُسے جھٹکار دیا، بھائی دنیا سے جو بھاگتا ہے وہ جوتوں میں آکر گرتی ہے، ہمارے اکابر اور مولوی یوسف میں یہ بات تھی۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے استغناء کا ایک قصہ:

چچا جان کے زمانے میں اور ان کے انتقال کے بعد میں نظام الدین میں ماہ مبارک میں اعتکاف کیا کرتا تھا، اور پورے مہینے کا اعتکاف کیا کرتا تھا، ایک رمضان میں غربی جانب میرا معتکف تھا، اور شرقی جانب مولوی یوسف صاحب کا، حاجی وجیہہ الدین صاحب میرٹھ کے ایک بڑے تاجر تھے، دلی میں بھی ان کا ایک مکان تھا، ان سے ہم لوگوں کے خاندانی تعلقات تھے، وہ مسجد میں آئے اور مولوی یوسف کو کچھ پیش کیا، عزیز موصوف نے پھینک دیا، اور کہا کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہے روپئے نہیں

چاہئیں، وہ خوشامد کر رہے تھے، مگر عزیز موصوف نے قبول نہیں کیا، میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا کہ جا کر ڈانٹ دوں، بہر حال وہ مولوی یوسف کے معتکف سے باہر نکلے تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا، اور حاجی صاحب کی خوشامد کی کہ وہ روپئے آپ مجھے عنایت فرما دیں، آپ جس طرح چاہیں گے میں خرچ کر دوں گا، مگر وہ خفا ہو کر چلے گئے، میں نے مولوی یوسف سے کہا کہ ہر شخص سے ایسا برتاؤ نہ کیا کرو، یہ خواص میں سے ہیں، میرے حضرت ان کے لئے گھر سے کھانا لایا کرتے تھے، چچا جان بھی ان کا اعزاز واکرام کیا کرتے تھے اور مجھ سے بھی ان کے ایسے ہی تعلقات ہیں۔

دوبارہ میں دلی گیا، چچا جانؒ کے زمانے میں اور مولوی یوسف کے زمانے میں بھی جب دلی جاتا تو رشید الدین کو فون کر دیا جاتا، چنانچہ وہ اور مولوی یوسف بھی اسٹیشن پر آتے، میں نے کہا کہ آج پہلے حاجی وجیہہ الدین صاحب کے مکان پر چلنا ہے، ہم لوگ وہاں گئے، میں نے کہا آج مولوی یوسف آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں، ان کو ہمارے اور آپ کے تعلقات کا علم نہیں تھا، حاجی صاحب نے فرمایا اس وقت تو واقعی رنج ہوا تھا، مگر اس کے بعد آپ کی معذرت کا مجھ پر اتنا اثر نہیں جتنا مولوی یوسف کے واپس کرنے کا ہے، اس وقت سے آج تک کوئی تبلیغی اجتماع ایسا نہیں ہوا کہ میں نے شرکت نہ کی ہو، ارشاد فرمایا بھائی! مگر یہ استغناء دل سے ہو۔

کرنل اقبال صاحب کا قصہ:

بھوپال کے کرنل اقبال صاحب ایک وجیہہ وخوبصورت فوجی آدمی تھے، میرا صبح کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کا آنا گوارا نہیں ہوتا، سوائے حضرت مدنیؒ، چچا

جان وحضرت رائے پوریؒ کے (اس سلسلہ میں میرٹھ کے وکیل صاحب کا قصہ سنایا، جو اس سے پہلے نقل ہو چکا ہے) فرقان بھاگا ہوا اوپر آیا کہ ایک بہت بڑے آدمی آئے ہیں، وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں میں نے کہا بھاگ یہاں سے ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی، انہوں نے کہلوایا کہ مجھے ابھی رائے پور جانا ہے، صرف ملاقات مقصود ہے، چنانچہ اوپر سے نیچے اتر کر مہمان خانہ میں آیا، میں اپنے سادہ لباس میں تھا، انہوں نے کہا کہ مجھے شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کرنی ہے میں نے کہا کہ مجھی کو لوگ شیخ الحدیث کہتے ہیں وہ جلدی سے اٹھے اور ملاقات کی، میں نے کہا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر رائے پور جائیے گا، بہرحال وہ کھانا کھا کر رائے پور گئے، دوسرے دن واپس آئے، اللہ کی شان اس دن دسترخوان پر کھانا خوب آیا تھا، کہیں ولیمہ تھا، وہاں سے پلاؤ وغیرہ بھی آ گیا تھا، میں نے کہا کہ کھانا کھائیے، کھانا کھا چکے تو کہنے لگے کہ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر ایک بات عرض کرنی ہے "کسی نے میری جیب کتر لی، کرایہ کے لئے تیس روپئے کی ضرورت ہے" میں نے انکو روپئے دے دیئے، انہوں نے جا کر تیس روپئے یہ اور تین سو روپئے مزید ہدیۃً بھیجے، میں نے جواب میں لکھا کہ اتنا سود نہیں ہوتا بہرحال اصرار کے بعد میں نے قبول کرلیا۔

اس کے بعد مجھ سے تعلقات ہوگئے، انہوں نے ایک وقف سوا لاکھ کا دیوبند مظاہر علوم، تبلیغ اور جمعیت علماء کے لئے کیا تھا، مدرسہ والوں نے ان کا خوب شکریہ ادا کیا، اور مولوی یوسفؒ نے ٹھوکر ماردی اور کہا کہ ہمیں آپ کا وقت چاہئے، انہوں نے میرے ذریعہ مولوی یوسف سے سفارش کرانی چاہی میں نے کہا کہ میں حکم نہیں دے سکتا، مشورہ دے دوں گا کہ قبول کرلیں، چنانچہ جب میں نے مولوی یوسف سے کہا تو

انہوں نے کہا کہ طبیعت نہیں چلتی، ویسے آپ کا حکم، میں نے کہا کہ تمہاری طبیعت کے خلاف میں حکم نہیں دے سکتا، ان کے واپس کرنے کے بعد تینوں اداروں نے کوشش کی کہ یہ رقم ہم کو مل جائے، اتفاقا میرا دلی جانا ہوا، وہاں ان سے ملاقات ہوگئی، وہ بہت خوش ہوئے، میں نے کہا کہ مجھے بھی خوشی ہوئی، ہمارے یہاں کی شوریٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک وفد آپ کی خدمت میں شکریہ کے لئے جائے، اس میں میں بھی شرکت کروں، مگر اچھا ہوا کہ آپ سے یہیں پر ملاقات ہوگئی۔

دادا ورا قابلیت شرط نیست:

ارشاد فرمایا: کہ مالک جس کو نوازنا چاہیں راستہ چلتے نواز دیتے ہیں، ''فضائل صدقات'' میں ایک قصہ لکھ چکا ہوں، ڈاکوؤں کی جماعت کہیں جارہی تھی، راستہ میں دیکھا کہ دو درخت ہیں، ایک انگور کا سرسبز درخت ہے، اور دوسرا کیکر کا خشک، ایک بلبل بار بار انگور کے درخت سے اس کا دانہ چونچ میں لے کر کیکر کے درخت پر جارہا ہے، ڈاکوؤں کے سردار کو اس پر بڑا تعجب ہوا، دیکھا تو کیکر کے درخت پر ایک اندھا سانپ منھ کھولے ہوئے ہے، وہ بلبل دانہ لاکر اس کے منھ میں ڈال دیتا ہے، اس نے غور کیا کہ ایک اندھے سانپ کی روزی کا اللہ جل شانہ نے یہ انتظام فرمارکھا ہے تو کیا وہ ہمارے لئے نہ کرے گا، یہ واقعہ اس کی ہدایت کا بہانہ بن گیا، اس سردار نے اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کی، اور لوگوں کے سامان کپڑے وغیرہ سب واپس کردیئے، یا مالک کے نہ ملنے پر خیرات کردیئے، وہاں سے یہ عہد کیا کہ مکہ مکرمہ چل کر توبہ کریں گے، اور چل دیئے، راستہ میں ایک عورت ملی وہ اس جماعت کو تلاش کررہی تھی جس میں ابراہیم ہو، اس سردار کا نام ابراہیم ہی تھا، اس بڑھیا نے کہا کہ میں ابراہیم ہی کو

تلاش کر رہی ہوں، اس نے کہا کہ یہ نام تو میرا ہے، اس عورت نے کہا کہ دو روز سے میں تمہارے لئے کھانا پکا رہی ہوں، اور آج بھی یہ عمدہ مرغن کھانا پکایا ہے، اس عورت نے کہا کہ پرسوں رات میرے لڑکے ابراہیم کا انتقال ہو گیا، مجھے بہت صدمہ ہو رہا تھا، میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ فرما رہے ہیں کہ بڑا صدمہ تمہیں ہو رہا ہے، ایک میرا ابراہیم بھی آ رہا ہے، اسلئے میں نے یہ کھانا تیار کیا ہے اور اپنے لڑکے کے کپڑے وغیرہ سب اس کے حوالہ کئے۔

ماثور دعاؤں کی تاثیر: ۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

ارشاد فرمایا: ہمارے دادا کے زمانے میں اتفاقاً نظام الدین کا گھنٹہ بند ہو گیا، شور ہوا، تو حضرت نے فرمایا کسی چیز کی ضرورت نہیں، بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیۃ الکرسی، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، تین تین بار پڑھ کر دم کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ چلنے لگا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ یرموک کی جنگ میں ایک راہب کے شرط لگانے پر **بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ الخ** پڑھ کر زہر پی لیا، اور کوئی اثر نہ ہوا، اس راہب نے عیسائیوں سے کہا کہ ''اس قوم سے مقابلہ ممکن نہیں''۔

آج کا قصہ یہ ہوا کہ پانی گرم کرنے کا چولہا گرم نہیں ہوتا تھا حضرت نے متعدد آدمی دوڑائے، ایک صاحب نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ کسی بنگالی نے کچھ کر دیا ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ ادھر جائیں، بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیت الکرسی معوذ تین تین تین مرتبہ دم کر دیں، چنانچہ اس کے بعد وہ جلنے لگا۔

ایک خصوصی سوال:

ارشاد فرمایا: میرے مخاطب خاص طور سے علی میاں اور مولانا منظور صاحب ہیں، (یہ حضرات بھی مجلس میں حاضر تھے) میں نے ایک سوال خاص خاص لوگوں سے تحریراً بھی کیا تھا، گذشتہ سال بھی خواص سے سوال تھا، اور اس سال بھی کہ مجمع جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی کیفیت میں کمی محسوس ہوتی ہے امسال کے بارے میں مولانا انعام صاحب نے کہا کہ بہتر حالت ہے، مولانا علی میاں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

ایک صاحب نے یہ جواب دیا کہ مجمع کی کثرت جتنی حج میں ہوتی ہے کیفیات میں کمی ہوتی ہے، یہی رائے مولانا منظور صاحب کی بھی تھی، حضرت نے فرمایا: ماحول کے اثرات ہیں، ورنہ مجمع کی کثرت کیا اثر ڈالتی، جب میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا، تو ایک صاحب نے طواف کے لئے کہا تو میں تھرتھرا گیا، میں نے کہا کہ میں حضرت کے ساتھ کروں گا، چنانچہ حضرت کے ساتھ کیا، اس وقت کیا کیفیات تھیں بیان نہیں کرسکتا۔

میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ اپنے تدریس حدیث کے زمانے میں ہر رمضان کے بعد شوال میں جو جماعت دورۂ حدیث میں آتی ہے اس میں اور پہلی جماعت میں زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے، پچاس سال سے میں بھی اس کو دیکھ رہا ہوں۔

سند سے زیادہ استعداد مطلوب ہے:

ارشاد فرمایا: ہمارے مدرسہ مظاہر علوم میں مولانا عنایت الٰہی صاحب کے دورِ اہتمام میں مدرسہ کی سند نہایت معمولی، اس کے بعد اس میں ترقی ہوئی، اور آج

کل زرق برق تعزیہ کی طرح ہوگئی ہے، اس پر دستخط کرائی جاتی ہے، پہلے یہ دستور تھا کہ بہت سے لوگ لیتے نہیں تھے، چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی رنگون ملازمت پر گئے، حالانکہ مشہور تھے ان کا وہاں سے سند کے لئے خط آیا، اتفاقاً حضرت ناظم کے سواسب ان کے شاگرد تھے، میں نے ناظم صاحب سے کہا کہ آپ بھی اپنی سند بنوالیں، شاید آئندہ شاگرددرشاگردوں کو دستخط کرنے کی ضرورت پڑے، ہمارے نوجوانوں میں سے شاید کسی نے لی ہو، ہم لوگوں نے بالکل نہیں لی تھی، اصل تو یہ ہے کہ ؎

عنبر آنست کہ خود ببوید نہ کی عطار بگوید

ایک شب میں ختم قرآن:

ارشاد فرمایا: ہم نے سنا ہے کہ رات نفلوں وتراویح میں حافظ زبیر نے چھتیس پارہ پڑھا ہے؟ میرے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، میرے چچا جانؒ بہت نحیف و ضعیف تھے، سہارنپور سے کاندھلہ تراویح سنانے جاتے، تو دو رات میں ایک قرآن ختم کردیتے، مفتی صاحب نے بتایا کہ ایک گھنٹہ میں آٹھ پارہ پڑھ ڈالتے، حضرت امام اعظمؒ وامام شافعیؒ کا قصہ ہم نے سن رکھا ہے، روزانہ دو قرآن ایک رات میں اور دوسرا دن میں ختم کر ڈالتے، ایک حافظ کے لئے ایک گھنٹہ میں چھ پارہ پڑھنا آسان ہے، ایک رمضان میں میں نے اپنے بعض دوستوں کو ۶۱ رقرآن ختم کرنے کے لئے لکھا، میرے دوستوں نے کوشش کی، مولوی انعام نے ۶۱ قرآن سنائے، ایک نے ۵۶ راور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کئے، اب ہم قویٰ کے کمزور ہونے کی وجہ سے نہیں کرسکتے، باقی جہاں تک ہوسکے کوشش کرتے رہنا چاہئے، میری دادی جان کا روزانہ اپنے وظائف کے ساتھ رمضان المبارک میں چالیس پارہ ختم کرنے کا معمول

تھا، ''تذکرۃ الخلیل'' میں ان کے حالات مذکور ہیں، حالانکہ ہمارے خاندان میں اس زمانے میں خادمہ کھانے پکانے کے لئے نہیں ہوتی تھی، اگر فکر لگ جائے اور موت کا استحضار ہو تو سب آسان ہے۔

حفظ قرآن:

دستور کے مطابق ماہ مبارک میں کئی آدمیوں نے حضرت کے سامنے حفظ قرآن کی نیت سے قرآن مجید کا آغاز کیا، اور دعا کی درخواست کی، دعا کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ نہ صرف محنت سے ہوتا ہے اور نہ کوشش سے بلکہ دعا مانگنے سے یہ دولت ملتی ہے، فضائل قرآن میں ایک مجرب عمل اس کا بتایا گیا ہے جس کو خصوصیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بتایا تھا، اس پر عمل کرنے والوں کے کثرت سے خطوط آئے کہ اس کی برکت سے قرآن حفظ ہو گیا، مولانا امیر احمد صاحب نے اپنا قصہ خود سنایا کہ وہ یہاں شاخ میں مدرس تھے، ۸، ۱۰ روپئے تنخواہ پاتے تھے، انہوں نے بتایا کہ تجربہ کرنے کے لئے میں نے اس پر عمل کیا، صبح کو آدھ پون گھنٹہ مدرسہ جاتے ہوئے راستے میں یاد کرتے اور اسی طرح دو ماہ عصر کے بعد تفریح میں یاد کرتے تھے، بقیہ اوقات میں گنجائش نہیں تھی، اسی طرح مدرسی کرتے ہوئے سات مہینے میں پورا قرآن حفظ ہو گیا، ان کے چھوٹے بھائی دورۂ حدیث میں تھے، میں نے ان کو غیرت دلائی، چنانچہ اس نے دورہ پڑھتے پڑھتے یاد کرلیا۔

ہمارے یہاں کاندھلہ میں میرے بچپن میں مؤذن کے سوا سب حافظ تھے، لوگ کہا کرتے تھے، او ملّا! تو نے روک رکھا ہے، اگر تو نہ ہوتا تو ساری مسجد کے لوگ حافظ ہوتے۔

اپنے مشائخ کے لئے ایصال ثواب کی خصوصی تاکید:

ارشاد فرمایا: اکابر کے لئے ایصال ثواب ضرور کیا کرو، اس سے ان کی ارواح متوجہ ہوتی ہیں، اور ان کے فیوض و برکات ملتے ہیں، حاجی عبدالرحمٰن صاحب نومسلم میرے تایا ابا کے زمانے میں اسلام لائے تھے، ان کی بہت سی خصوصیات ہیں (جو سوانح مولانا محمد الیاسؒ میں مذکور ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص بات عطا فرمائی تھی کہ ان کے ذریعہ بہت سے آدمی اسلام لائے۔

ایک مرتبہ دلی میں ایک تانگہ والے کے پاس گئے، اس نے کہا کہ میری گاڑی میں جگہ نہیں ہے، بہرحال بہت جھگڑنے کے بعد تانگہ والے نے بیٹھا لیا، اللہ کی شان دلی سے نظام الدین پہونچے کہ وہ مسلمان ہوگیا، انہوں نے میرے چچا جانؒ کے انتقال پر ایک معمول یہ بنایا تھا کہ سورۂ یٰسین پڑھ کر اور دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے، ایک روز خواب میں دیکھا کہ چچا جانؒ نے فرمایا کہ میرے اکابر کو چھوڑ دیتے ہو، مجھے اس سے شرم آتی ہے، بہرحال اکابر کے لئے ایصال ثواب کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ان کے سامنے سرخروئی ہوسکے۔

ہمارے اکابر کے یہاں اخفاء ہے:

ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں میں امیر خاں صاحب امیر الروایات ہیں، وہ حج میں گئے، وہاں ایک نقشبندی بزرگ سے بہت متاثر ہوئے، ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا، جب امیر خاں واپس آئے، تو گنگوہ حاضر ہوئے، اور حضرت اقدس گنگوہی کا بدن دبا رہے تھے، حضرتؒ کو یہ قصہ سنایا، مگر حضرت نے کوئی توجہ نہیں کی، تو انہوں نے دوبارہ دریافت کیا،

حضرت اقدس گنگوہیؒ نے فرمایا کہ سنو! دس سال پہلے تک تو میں حضرت حاجی صاحبؒ سے (جو مکہ معظّمہ میں تھے) دریافت کیا کرتا تھا اور اس کے بعد براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہوں، یہ جو تم نے سنایا، وہ اکابر نقشبندیہ کے دل بہلانے کے لئے ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا: شیخ سے محبت و تعلق کی برکت سے یہ سب ہوسکتا ہے، ہمارے اکابر ذرا کھل کر کہنے سے احتیاط برتتے ہیں۔

اکابر کی دعاء کے ساتھ حرکت کی ضرورت ہے:

ارشاد فرمایا: اللہ والوں کے منھ سے کوئی بات نکل جاتی ہے وہ اکثر اثر کرتی ہے، مگر ہر وقت نہیں، اس کے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں، ایک حدیث کا مضمون ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ کے لئے وضو کا پانی رکھا، اس پر آپ خوش ہوئے اور دعا دی، اور فرمایا "أعني علی ذالک بکثرۃ السجود" حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس ایک شخص اولاد کے لئے تعویذ مانگنے آیا تو حضرت نے فرمایا تعویذ تو ہے مگر کچھ کمر کا زور لگانے کی ضرورت ہے، نری دعا بغیر عمل کے کام نہیں کرسکتی، حضور اقدس صلی اللہ سے بڑھ کرامت کے لئے اور کون مانگنے والا ہوسکتا ہے، البتہ اگر ذرا سی حرکت آدمی اللہ کے لئے کرے گا تو ادھر سے بہت کچھ ملے گا۔

ارشاد فرمایا: آہ بھی کیا کرو، حضرت حاجی صاحبؒ کا شعر ہے ؎

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

(فضائل رمضان)

ایک تاجر کا کارنامہ:

ارشاد فرمایا: دلی میں ایک بزرگ حافظ محمد اسماعیل تھے، وہ بڑے تاجر تھے، ان کی کئی دکانیں تھیں، کئی کارخانے تھے، اللہ کی دین جس کو چاہیں دیں، ان کا ہم پر احسان ہے، انہوں نے ایک میل سوا لاکھ روپے میں خریدا، اور از راہِ شفقت ومحبت ہمارے مدرسہ میں خط لکھا کہ یہ میل غرباء کے لئے خریدا ہے، ان کے لئے سو روپے کا حصہ رکھا ہے، تا کہ ان کی تنخواہ کی کمی پوری ہو جائے، چنانچہ ہمارے مدرسہ میں مدرسین نے دو، تین، پانچ تک کے حصے خریدے، ان تاجروں کا جس طرف رخ ہو جائے، طبیعت خوب چلتی ہے، اس میل میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا، یہاں تک کہ ملا نے بھی حصہ لیا، چھ مہینے کے بعد اس میل کو توڑ دیا مگر جس کے سو تھے ان کے دوسو ہو گئے، ان کے چار لڑکے تھے، انہوں نے اخیر زندگی میں اپنی ملکیت ان چاروں میں تقسیم کر دی تھی، اور کچھ حصہ اپنے پاس رکھا تھا انہوں نے اپنے مکان کے سامنے ایک مکتب قائم کیا تھا، میرا بھی چچا جانؒ کے ساتھ اور تنہا بھی ان کے یہاں کثرت سے جانا ہوا، مجھے خوب یاد ہے چند برس میں اس مکتب سے تقریباً سو حفاظ نکلے، وہ خود بھی قرآن سنا کرتے تھے، اپنی لڑکیوں تک کو حافظ کر دیا تھا، اللہ جل شانہ جس کو دینا چاہے دیتا ہے۔

اصل علاج روح کا ہے:

ارشاد فرمایا: اس وقت ڈاکٹر غلام کریم صاحب علاج کے بہت شوقین ہیں، اس وقت میں ان سے کہہ رہا تھا کہ نہ میری نبض دیکھنا اور نہ دوا دینا، آپ ڈاکٹروں کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، خفا نہ ہونا، اگر کوئی روٹی نہ کھائے تو کہتے ہیں کہ ضعف آ گیا ہے، ہم لوگوں کو فکر ہوتی ہے خمیرہ چاہئے، دوا چاہئے، اوراد و وظائف روح کی

غذا ہیں، مگران کے چھوٹنے پر افسوس نہیں ہوتا، حالاں کہ اصل روح ہے، روح کے ضعف کی فکر نہیں ہوتی، اور جسم کی فکر ہوتی ہے، روح اصل ہے، اسی سے جسم کا قوام ہے، روح میں اگر قوت ہے تو سب کچھ ہے، میرے چچا جانؒ کو دلی کے مشہور ڈاکٹر نے دیکھا اور بہت سے آلات لگا کر دیکھا اور کہا کہ یہ زندہ کس طرح ہیں، جس میں قوت نہیں ہے، صرف روح کی قوت سے زندہ ہیں، ہمارے شہر کے مشہور ڈاکٹر برکت مرحوم حضرت مدنی کو دیکھنے جاتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا، انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے کہا کہ ''میں نے بہت سے آلات کے ذریعہ حضرتؒ کا اچھی طرح معائنہ کیا، طبی اصول سے ان کو زندہ نہیں رہنا چاہئے، ان کے معدہ، جگر وغیرہ نے جواب دے دیا ہے، البتہ دل بہت قوی ہے، اس میں ضعف نہیں ہے'' اس لئے کہ روح کو غذا ملتی رہتی ہے، چنانچہ انتقال سوتے سوتے ہوگیا، حضرتؒ کو دل کی بیماری بتائی گئی تھی، اس لئے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیمّم کریں، اور بیٹھ کر نماز پڑھیں، مگر ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہے، کبھی تیمّم کر لیتے، اور کبھی وضو، میرے چچا جانؒ نے تو اخیر تک وضو سے نماز پڑھی ہے، میرے چچا جانؒ نے انتقال کے وقت آخری رات میں فرمایا تھا کہ ''میرا جی چاہتا ہے کہ خوب غسل کروں، اچھے کپڑے پہنوں، اور خوشبو لگاؤں یہ بھی فرمایا تھا کہ آج میری آخری رات ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اچھی طرح رہوں''۔

ارشاد فرمایا: ایک بزرگ تھے، ان کی فجر کی جماعت فوت ہوگئی، صبح سے رنج و غم میں دوپہر تک بیٹھے رہے، فرمانے لگے کہ ''بے حسی کی کوئی حد ہے، اگر میرے لڑکے کا انتقال ہو جاتا تو بہت لوگ میرے یہاں تعزیت کے لئے آتے اور نماز کی جماعت چھوٹ جانے پر کوئی تعزیت کے لئے نہیں آتا''۔

میرے دوستو! خوب یاد کرلو! دنیا وآخرت دونوں جگہ کام آئے گا، روح میں اگر قوت آجائے تو بیماری وغیرہ سب لڑھکتی رہیں گی، اور اگر اس میں ضعف ہے تو مشکل ہے اگر اللہ جل شانہ کی ذات پر اعتماد وتوکل پیدا ہوجائے یہ صرف زبان پر نہیں بلکہ دل میں اتر جائے، تو ڈاکٹر وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تبوک کے موقع پر اپنا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا لائے، دونوں کا مال آپؐ نے قبول فرمالیا، ایک اور صاحب سونے کا ایک ڈلا لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے رخ مبارک پھیرلیا، دوسری طرف آئے، پھر آپؐ نے رخ مبارک پھیرلیا، پھر تیسری طرف آئے، راوی بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ ڈھیلا کھینچ کر پھینک دیا، اگر لگ جاتا تو زخمی کردیتا۔

حضرات شیخینؓ کامل توکل کے مقام پر تھے، اس لئے آپؐ نے قبول فرمالیا اور یہ صاحب اس درجہ پر نہیں تھے، اس لئے آپؐ نے واپس فرمادیا۔

دنیا مسافر خانہ ہے:

حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت ناساز تھی، ڈاکٹر غلام کریم صاحب بازار سے دوا خرید کر لائے تھے، فرمایا رکھ دو، رمضان بعد دیکھیں گے، ہمارے حضرت اقدس رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مردہ کے بدن پر مکھن مل دینے سے قوت نہیں آتی اس کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ ''میرا مال، میرا مال'' اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا، ارشاد فرمایا: ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کسی غیر ملک میں باہر جانے والے کے لئے دشواری ہے وہ پیسے نہیں لے جا سکتا، یہی حال عالم آخرت کا ہے، البتہ عالم آخرت کے لئے پیشگی بھیجنا آسان ہے وہاں جو عمل کر کے بھیجے گا اس کے لاکھوں اور اس سے زائد ملیں گے۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، نہ بھائی نہ بیوی اور نہ کوئی، شاید ہی کوئی تمہارے لئے ایصال ثواب کرے، اس لئے اس زندگی کو غنیمت سمجھو اور بھیجتے رہو۔

ایک غیبی مدد:

۲۶ر رمضان المبارک ۸۸ھ کو ڈاکٹر عبدالمنان صاحب مرحوم جن کو تین مرتبہ قلبی دورہ پڑ چکا تھا، انہیں ان کے وطن پٹنہ بھیجنا تھا، اسٹیشن بھیجنے کے لئے کار کی ضرورت تھی، حضرت نے مولوی نصیر صاحب سے کار کے لئے کہا تھا انہوں نے شہر میں تین چار جگہ آدمی بھیجے تھے، اتنے میں مراد آباد کے کچھ لوگ کار سے آ گئے، حضرت نے مولوی نصیر سے کار کے لئے فرمادیا، اور مراد آباد والوں کی کار سے ڈاکٹر صاحب کو اسٹیشن بھیجا گیا، ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ کسی کو بھیجنے کی ضرورت تھی بڑودہ سے دو ریلوے کے ملازم عید کرنے سہارنپور حاضر ہوئے، ان دونوں کے پاس فسٹ کلاس کا پاس تھا، چنانچہ وہ دونوں پٹنہ تک ڈاکٹر صاحب کو پہنچانے گئے، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں، وہی مربی حقیقی ہے، افسوس یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا اپنے وطن پہونچ کر چند دنوں کے بعد قابل رشک حالت میں انتقال ہو گیا،

اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

ارشاد فرمایا: ڈاکٹر صاحب میرے لئے دوائیں تجویز کرتے ہیں مگر رمضان تو میرے لئے دوا کا ہوتا نہیں۔

عادت کو عبادت کا درجہ نہ دیا جائے:

چائے کی عادت شام کو ساری زندگی رہی، اور رمضان میں تراویح کے بعد چائے پیتا تھا، مگر دو تین دن سے اس کی طرف بھی رغبت نہیں رہی۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جانؒ چائے کے مخالف تھے، اور (مولانا) یوسف و انعام چائے کے عادی تھے، دونوں پر خفا ہوتے کہ تبلیغی آدمی کو ہر جگہ چائے کہاں ملے گی، ایک دن گھر میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے چائے چھوڑ دی، بہت خوش ہوئے بعد میں بتایا گیا کہ چائے کی پڑیا جو ۳ آنے میں ملتی تھی اب ۶ آنے کی ہوگئی ہے، اس لئے چائے ان دونوں نے چھوڑ دی، فرمایا، لاحول ولاقوۃ، اس لئے چھوڑ دی، جو مالک ۳ آنے میں دیتا تھا وہ ۶ آنے میں بھی دے گا۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ کا جس زمانے میں قیام بھٹ ہاؤس سہارنپور میں تھا میں شام کو سبق پڑھا کر عصر کی نماز پڑھ کر سیدھے بھٹ ہاؤس جاتا تھا، وہاں حضرت کو معلوم ہوا کہ عصر کے بعد کی چائے میں نے چھوڑ دی ہے، حضرتؒ نے خدام کو حکم دیا کہ شیخ کے لئے چائے بنائی جائے، میں نے عرض کیا کہ تھوڑا سا وقت آپ کی خدمت میں حاضری کا ملتا ہے، عادت کو عبادت کا درجہ کیوں دیا جائے، اس پر حضرتؒ کو بہت لطف آیا۔

نماز کے اوقات کے اسرار:

ارشاد فرمایا: اللہ جل جلالہ کی حکمتوں اور احکام کے اسرار تک کسی کی رسائی ہو سکتی ہے، ہر کام میں جتنی حکمتیں پنہاں ہیں، وہاں تک ہمارے ذہن نہیں پہونچ سکتے، لیکن بعض احکام کی حکمتیں آشکار ہوتی جارہی ہیں، جن احکام کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں، ان کو فقہاء تعبدی کہتے ہیں۔

نماز کے اوقات میں ایک خلجان ہے کہ صبح کی اور ظہر کی نماز میں ایک طویل فاصلہ ہے، اس کے بعد مسلسل چار نمازوں کے اوقات ہیں، یہ عدم تناسب ظاہر کے اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ ہمارے حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک رسالہ "**المصالح العقلية فى المسائل الشرعية**" لکھا ہے، اس میں اس کی دو توجیہیں لکھی ہیں، اس کی ایک توجیہ مجھے پسند آئی، حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کو بھی بہت پسند تھی۔

حضرت نے فرمایا: اس میں انسانی زندگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے، صبح کی نماز اس دنیا میں انسان کی پیدائش کا نمونہ ہے، حدیث میں بھی آیا ہے، سوکر بیدار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے "**الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور**" اور اس کے بعد کا زمانہ بچپن وعنفوان شباب کا زمانہ ہے زوال کے بعد ظہر کی نماز رکھی گئی ہے گویا اس میں انسان کی کہولت کی طرف اشارہ ہے آدمی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عمر ختم ہورہی ہے، اور عصر کی نماز گویا اس کا الارم ہے کہ بوڑھاپا آ گیا، قبر کی فکر کرو، غروب آفتاب موت کی خبر دے رہا ہے، موت کو یاد کرنے کے لئے مغرب کی نماز فرض کی گئی، اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد کے بعد پڑھی جائے گی، گویا مرنے کے بعد کچھ ذکر وتذکرہ انسان کا باقی رہتا ہے، اس میں مشابہت ہے شفق سے،

پھر دنیا اس کو بھلا دیتی ہے کہ کون تھا اس کو یاد دلانے کے لئے عشاء کی نماز فرض کی گئی کہ نام ونشان مٹ جائے گا۔

اضافہ ۔

مٹے ناميوں کے نشاں کیسے کیسے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت مدنی نے ایک توجیہ اور کی ہے اس پر میں نے حواشی لگائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، **"وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون"** اس آیت کریمہ میں حصر ہے کہ انسان کی پیدائش کا بس ایک ہی مقصد عبادت ہے، حق تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات وانعامات کئے ہیں، اور مسلسل ان کی بارش ہورہی ہے، اعضاء انسانی یہ ایسے انعامات ہیں ان کا احصاء نہیں ہوسکتا، غور کرو اگر تمہاری آنکھیں نہ ہوتیں تو تم بت کی مانند نظر آتے، اگر کان کی سماعت زائل ہوجائے تو دنیا کی آوازوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے، اگر ہاتھ کی انگلیاں کٹ جائے تو تم ایک لوٹا تک نہیں اٹھا سکتے، اسی لئے قرآن نے کہا ہے **"وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها"** حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ نے فرمایا: نعمت کو واحد استعمال کیا گیا ہے جب ایک نعمت کا احصاء ممکن نہیں تو خدا کے انعامات بے شمار ہیں، ان کا احصاء کیوں کر ممکن ہوگا؟ آدمی جب کسی کو نوکر رکھتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری ہر وقت فرماں برداری کرے، پس اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تقاضا تھا کہ تم ہر وقت عبادت میں مشغول رہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم پر صرف چند اوقات کی نمازیں فرض کی ہیں، گویا ہمارے اوقات کو تقسیم کر رکھا ہے، آدھا اپنے لئے اور آدھا ہمارے لئے، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ رات عبادت کے لئے مقرر کی

جاتی اور دن کام کے لئے ،مگر اس میں ہمارے لئے دشواری تھی کیوں کہ بہت سی ضروریات ہماری رات سے وابستہ ہیں، اسی طرح اس کے برعکس کرنے میں بھی ہمارے لئے دشواری تھی، اللہ جل شانہ نے دن میں آدھا اپنے لئے رکھا، صبح سے ظہر تک کام کے لئے اور ظہر سے مسلسل چار اوقات کی نمازیں ہیں۔

صاحب ''نورالانوار'' نے لکھا ہے کہ عزیمت یہ ہے کہ پورا وقت نماز میں صرف کیا جائے مگر مالک نے کرم فرمایا، صرف چند رکعتوں کو پورا شمار کرلیا، اس کے ساتھ فرائض میں حضورؐ نے تخفیف کو مستحسن قرار دیا، رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنایا اور دن کو مشغولیت کے لئے ، رات میں سونا ضروری ہے، خواہ تھوڑا ہی ہو وہ کفایت کرتا ہے، برخلاف دن کے سونے کے، اسی لئے عشاء کا وقت مستحب نصف لیل تک ہے، اس کے بعد مکروہ ہے، کیوں کہ آرام کا وقت ہے، اس کے بعد ایک ضابطہ بتایا گیا کہ جس کے صحیفہ میں جس کو روزانہ صبح وشام فرشتہ خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، عبادت ہو، مالک کے کرم سے امید ہے کہ اس کو معاف فرمادیں گے، اسی لئے مغرب کے مقابلہ میں فجر کی نماز رکھی گئی اور صبح وشام تسبیحات کا پڑھنا مسنون ہے، سوتے وقت کی دعا بتائی گئی کہ پڑھ کر جیکے سے سوجائے تاکہ صحیفہ کے دونوں حصے میں عبادت آجائے ، اسی سبب سے ظہر میں تعجیل، اگر گرمی کا موسم ہو تو ابراد افضل ہے، اور عصر میں تاخیر افضل ہے کہ صحیفہ کے دونوں طرف عبادت میں آجائے ، اور درمیان کے حصہ کو مالک اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیں۔

بہر حال نماز کے اوقات میں اللہ کے احسانات کے مناسب یہی تھا کہ پورے وقت میں نماز ادا کی جاتی، مگر ہماری سہولت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ چند

رکعتیں خواہ مختصر سہی اگر پڑھ لی جائیں تو مالک قبول کرلے گا، اس کے علاوہ نوافل کو رکھا گیا کہ اگر کوئی عزیمت پر عمل کرنا چاہے تو پڑھ لیا کرے، تہجد و اوابین، چاشت و اشراق کی نمازیں اسی قبیل سے ہیں، میرے ذہن میں اوقات کی تقسیم یہ ہے ۸ گھنٹہ تو سونے اور کھانے وغیرہ کے لئے اور آٹھ گھنٹہ عبادت کے لئے اور آٹھ گھنٹہ ملازمت وغیرہ دیگر ضروریات کے لئے۔

مجدد صاحبؒ کے ایک مرید کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے وہ سادے آدمی تھے، مگر نماز کی حلاوت سے آشنا تھے، انہوں نے کہا کہ "مولوی صاحب! بتاؤ تو صحیح جنت میں بھی نماز ہوگی؟" تو انہوں نے کہا کہ "نہیں" تو انہوں نے کہا کہ "پھر ایسی جنت کو لے کر میں کیا کروں گا" ایک بزرگ کی خواہش تھی کہ قبر میں مجھے تلاوت کا موقع ملے، چنانچہ ان کی قبر سے تلاوت کی آواز سنی گئی۔

فکر آخرت:

ارشاد فرمایا: "عدوا أنفسکم فی الموتیٰ" اپنے نفسوں کو مردوں میں شمار کرو، یہ تصور قائم ہو جائے تو ہر عمل آسان ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سب کچھ مال بانٹ دیا، لوگوں نے کہا کہ اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، تو فرمایا "اگر میری اولاد صالح ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واللہ ولی المؤمنین" اللہ تعالیٰ مومنین کا کارساز ہے، اور اگر غیر صالح ہے تو ان پر اپنے پیسے کو ضائع نہیں کرنا چاہتا"۔

ارشاد فرمایا: اوراد و وظائف کے لئے ہمیں وقت کیوں نہیں ملتا جب کہ یہ چیزیں کام آنے والی ہیں، سب کو معلوم ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے، جیسے خواب کہ

اس میں بہت سی چیزوں کو ہم دیکھتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا، اگر اس زندگی میں اچھے اعمال نہیں کیئے گئے تو یہ وبال بن جائے گا۔

ارشاد فرمایا: مدرسہ کا کوئی طالب علم جب انتقال کرتا تھا تو اپنی جوانی میں میں خود اس کو نہلاتا تھا اور مفتی سعید صاحب مرحوم میرے رفیق ہوتے تھے، موت کو کثرت سے یاد کرو، کیوں کہ یہ لذتوں کو توڑنے والی ہے، جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اگر کوئی ہنستا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے، مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پر ایصال ثواب کی طرف توجہ دلائی، مجھے بجلی کے بند ہونے پر موت یاد آتی ہے۔

حضرت ولی اللہ صاحبؒ کے والد صاحبؒ کا واقعہ:

ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سب اکابر کا فاقہ اختیاری تھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''الدر الثمین'' ص ۶۰ میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں دائمی طور پر روزہ رکھنے کا ارادہ کیا، پھر انہیں اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تردد ہوا، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، آپؐ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپؐ نے ایک روٹی عنایت فرمائی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''الھدایا مشترکۃ'' میں نے ان کے سامنے اس کو پیش کیا، انہوں نے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا ''الھدایا مشترکۃ'' میں نے ان کے سامنے پیش کیا، انہوں نے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا، پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''الھدایا مشترکۃ'' میں نے عرض کیا، اگر اس طرح میں تقسیم کرتا رہا، تو اس فقیر کے لئے کیا باقی رہے گی، ''انفاس العارفین'' میں اتنا

اضافہ ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ سے سلسلۂ سلوک ملتا تھا اور حضرت عمرؓ سے سلسلۂ نسب، اس لئے میں مرعوب ہو گیا، اور حضرت عثمانؓ سے ان دو میں سے کوئی بات نہیں تھی، اس لئے میں نے عرض کیا۔

آداب کی رعایت:

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! آداب و مستحاب کی رعایت ضروری ہے، مشہور حدیث ہے "**من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر**" جس نے قصداً نماز کو ترک کر دیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا، صفوں کی درستگی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: "**لا تختلفوا فتختلف قلوبکم**" تم (صفوں میں) اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، ظاہر کے اختلاف کا اثر باطن پر پڑتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے جو آداب میں تہاون کرتا ہے کسی ایک ادب کو بیماری یا مشغولی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے ایک تہاون کی بنا پر چھوڑنا ہے، سالکین کے لئے آداب کی رعایت عمل کے اعتبار سے وجوب کے درجے میں ہے، بہر حال حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ جب آدمی تہاون کی وجہ سے آداب کو چھوڑتا ہے اس پر خدا کی طرف سے ایک عذاب مسلط ہو جاتا ہے اور سنتیں چھوٹنے لگتی ہیں، تم دیکھ سکتے ہو کہ آدمی جب کسی برائی کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ عادتیں اس کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں، بہر حال اس پر سنت کے چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے، شروع میں ایک دو دفعہ چھوٹنے پر ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے مگر جہاں دو چار دفعہ چھوٹیں تو پھر یہ کیفیت بھی جاتی رہتی ہے، اس کے بعد اس پر فرائض کے چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے، اور جب فرائض چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جائے تو اس پر

معرفت کا حرمان مسلط ہوتا ہے، اور سوء خاتمہ کا عیاذاً باللہ اندیشہ ہوتا ہے، فقد کفر کا یہی مصداق ہے، ہر خیر خیر کو کھینچتا ہے اور ہر شر شر کو کھینچتا ہے، جب آدمی اپنے کسی علم پر عمل شروع کر دیتا ہے تو یہ اس کو دیگر علوم کی طرف کھینچتا ہے، آج تمام مدارس سے ہزاروں فضلاء نکلتے ہیں مگر ڈھونڈ ھنے پر کوئی مدرس نہیں ملتا، کیوں کہ پڑھنے کے زمانے میں آداب کو پیش نظر رکھ کر پڑھنے والے بہت کم ہیں، پڑھنے کے زمانے میں اگر آداب کی رعایت رکھ کر پڑھتے تو اس کی برکتیں حاصل ہوتیں، پہلے زمانے میں اتنی استعداد ہوتی تھی کہ بے پڑھا ہوا پڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا، آج معاملہ برعکس ہے۔

طالب علم کے لئے بیعت مفید ورنہ غیر مفید:

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جال لگا رکھا ہے، اس امید پر کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ پھنس جائے، یہ جب ہوگا جب طلب صادق ہو، بغیر طلب صادق کے کچھ بھی نہیں ہوتا'' میرا بھی تجربہ ہے جو اپنی رغبت و خواہش سے بیعت ہوا، اس کو تو فائدہ ہوا، اور جس نے کسی سفارش پر بیعت کی اس کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

وکیل عبداللہ مرحوم کو حضرت سہارنپوریؒ سے خصوصی تعلق تھا، میں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت جب انہیں ایسا تعلق ہے کچھ ذکر و شغل انہیں بتا دیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ''بلا طلب نہیں بتا سکتا'' میں نے عرض کیا کہ میں لکھ دوں، حضرت نے فرمایا ''اپنی طرف سے''۔

حضرت سہارنپوریؒ کے صاحبزادے گنگوہ بیعت کے لئے حاضر ہوئے، تو حضرت نے فرمایا مولوی خلیل احمد نے ترغیب دی ہوگی، حضرت سہارنپوریؒ نے عرض

کیا'' اس سے میں نے نہیں کہا ہے'' البتہ مولانا یحییٰ وغیرہ ترغیب دیتے تھے، میرے حضرت تو آفتاب ہیں، یہاں ترغیب کی کیا ضرورت۔

علماء ومدرسین سے خصوصی خطاب:

ارشاد فرمایا: کسی کی آبروریزی بڑی سخت چیز ہے اگر کوئی کسی کو گرانا چاہے تو اس کو چاہئے کہ جواب نہ دے، علماء و مدرسین میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے، وقار کا مسئلہ مولویوں کی جماعت میں زیادہ بڑھ گیا ہے، ہمیں اپنے وقار کو بڑھانے اور دوسروں کو گرانے کی فکر نہ کرنی چاہئے، آج کل مدرسین عام طور پر دوسروں کے وقار کو گرانے میں اس قدر لگ گئے ہیں کہ دوسرے تو گرتے نہیں خود گر جاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من تواضع لله رفعه'' جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اللہ اس کو اونچا کرتا ہے۔

آج کل ہمارے آپس کے فسادات بڑھتے جارہے ہیں، میں نے ''اسلامی سیاست'' میں اس مضمون کی بہت سی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، علماء کرام کو خاص طور سے بار بار پڑھنا چاہئے جس طرح حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ''میرے اس مضمون کو تین دفعہ پڑھو''، اسی طرح میں بھی تاکید کرتا ہوں کہ ''اعتدال'' کو بار بار پڑھو، حدیث میں آیا ہے ''من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب'' جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے ساتھ میں نے اعلان جنگ کر رکھا ہے ایک اور حدیث میں آیا ہے ''جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اللہ اس کی پردہ دری کرتا ہے'' بھائی موت وحیات کا ٹھکانہ نہیں، اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہوں، اللہ اگر کسی کو عزت دے تو اس کو ذلیل کرنے کی فکر نہ کرنا چاہئے۔ اضافہ از مرتب

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرد　　میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

حسد حرام ہے، اور رشک جائز ہے، تم خود بڑھو، اور امتیاز پیدا کرو، میری ابتدائی مدرسی میں میرے اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری کے درمیان طلبہ کا یہ دستور بن گیا تھا، میری تقریریں سن کر ان کے سبق میں جا کر اعتراض کرتے، اور وہاں کی یہاں نقل کرتے، ہم دونوں نے بار بار کہا کہ کسی استاد کا نام لے کر اعتراض نہ کیا جائے، بلکہ مولانا نے یہ فرمایا کہ جب شیخ نے یہ مطلب بیان فرمایا تو یہ منہ کیا جو اس سے اختلاف کرے، انہیں باتوں سے مدرسین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، ہمارے مدارس اور دینی جگہوں پر یہ مرض عام ہے۔

''الاعتدال'' حضرت مدنیؒ کے بکس میں رہتی تھی، حضرت تھانویؒ کی مجلس میں اس کا ذکر آیا، تو فرمایا کہ میں نے اس کو دیکھا ہے، بھائی سعید حضرت گنگوہیؒ کے پوتے تھے، مزاج میں تیزی تھی، میری ان سے زندگی بھر لڑائی رہی، میرے بہت اصرار پر اخیر میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو گئے تھے، ایک مرتبہ میری وساطت سے ان کی ابتدائی مدرسی میں دس روپئے آئے، میں نے کہا کہ کیا کرو گے، انہوں نے کہا کہ ''حلوا کھاؤں گا'' دماغ میں قوت آئے گی، پھر مولانا انور شاہ بن جاؤں گا، مدرس تھے، کہتے تھے کہ کتب خانہ میں جاتا ہوں تو ناظر کتب خانہ کہتا ہے کہ ''جاؤ مہتمم سے لکھا کر لاؤ''، اور مولانا انور شاہ صاحب جب کتب خانہ میں آتے ہیں، سارے کتب خانہ والے دوڑتے ہیں، جب مولانا انور صاحب جیسا بنوں گا تو لوگ میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کریں گے''، بہر حال بھائی سعید ایک روز آئے اور کہا کہ ''الاعتدال'' آپ نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے، میں اس کے دس نسخے خرید کر اپنے انگریزی داں

دوستوں کو تقسیم کروں گا‘‘ مگر میں نے ان کو ہدیۃً دے دیئے۔

ہمارے حضرت گنگوہیؒ کا مقولہ ہے کہ ’’مادح و ذام کو برابر سمجھتا ہوں‘‘ معمولات کی پابندی کرو، ہر چیز میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھو، دوسری چیزوں کی طرف التفات نہ کرو، لوگوں کے مدح وذم کی پرواہ نہ کرو، محرمات سے بچتے رہو، بزرگوں کا مقولہ ہے، ریا صرف اس کا نام نہیں کہ لوگ بڑا سمجھیں یہ تو شرک ہے، لوگوں کے دیکھنے کے سبب سے عمل کو چھوڑ دینا یہ بھی ریا ہے۔

۱۳۹۱ھ کا رمضان المبارک:

یہ ناکارہ امسال ۲۵؍شعبان بروز شنبہ حضرت اقدس مدفیوضہم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوگیا تھا، حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت رمضان المبارک سے قبل سخت خراب ہوگئی تھی، شدید بخار تھا، اعتکاف بظاہر مشکل معلوم ہورہا تھا، مگر ایک دن کی نیت سے اعتکاف کیا، اس کے بعد مستقل نیت کرلی، اور بحمد اللہ چند روز کے بعد بخار جاتا رہا۔

۲۹؍کا چاند نظر نہیں آیا، اور یوم جمعہ سے رمضان کا آغاز ہوا، نیز امسال حضرت اقدس نے اپنے بہت سے خواص کو تحریر فرمادیا تھا کہ اپنے اپنے مقامات پر یہاں کا ماحول قائم کریں، یہاں آنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ مختلف مقامات پر یہاں کا ماحول قائم کیا گیا، بالخصوص جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم مولانا سید بزرگ صاحب کا مسلسل تقاضا تھا کہ مفتی اسماعیل صاحب جامعہ کی مسجد میں اعتکاف کریں، بحمد اللہ اخیر عشرہ میں وہاں معتکفین کی تعداد سو کے قریب ہوگئی تھی، جس پر حضرت اقدس نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، اسی طرح مولانا سجاد صاحب اور مولانا

عبدالرحیم صاحب نجیب آبادی اور مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کا زمبیا سے، اور مولوی یوسف صاحب سلمہ کا لندن سے اسی مضمون کا خط آیا کہ ہر جگہ کچھ لوگوں نے اعتکاف کیا، اور یہاں کا ماحول قائم کیا، اس لئے امسال رمضان المبارک کی ابتداء میں گذشتہ سال کے مقابل میں مجمع کم رہا، البتہ اخیر عشرہ میں یہ تعداد قریباً پانچ سو پہونچ گئی تھی۔

ہر سال کی طرح امسال کے رمضان المبارک کے وہی معمولات تھے، البتہ مغرب کی نماز کے بعد کی مجلس میں حضرت اقدس کے ضعف و نقاہت کے سبب ملفوظات کا سلسلہ بہت کم رہا، ابتداء میں سکوت کی مجلس رہی، اس کے بعد کبھی کچھ موقع کی مناسبت سے ارشاد فرمایا: پھر اس مجلس میں بھی کتاب سنانے کا سلسلہ قائم ہو گیا، عید کے چاند میں بڑی گڑ بڑی رہی، صبح کو اس کا ثبوت شرعی معلوم ہو سکا، عید شنبہ کو ہوئی۔

قابل رشک موت:

ارشاد فرمایا: اپنی زندگی کے اوقات کی قدر و قیمت پہچاننی چاہئے، مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے وعظ کے دو شعر بہت مشہور تھے، شاید ہی کوئی وعظ ایسا ہوتا ہو جس میں وہ ان کو نہ پڑھتے ہوں، پھر حضرت اقدس نے ان اشعار کو بہت درد سے متعدد بار پڑھا۔

رنگالے نہ چندیا گندھالے نہ سیس — تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی — کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

فرمایا: بھائی! معلوم نہیں کب وقت آجائے، بھائی اکرام (والد بزرگوار حضرت مولانا

انعام الحسن صاحب) کی موت بیشک قابل رشک ہے، حالت سجدہ میں ان کی روح پرواز کرگئی، یہی حال والدۂ ہارون کا ہوا تھا کہ دوسرے سجدہ میں اس کی روح پرواز کرگئی۔

تبلیغی جماعت کی ضرورت:

ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جب مرض کہیں اترتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس مرض کے موافق کوئی دوا اتارا کرتے ہیں، اب سے سو برس پہلے جب یہاں انگریزوں کا اقتدار ہوا، تو انہوں نے ہمارے مذہب کو بگاڑنے کی کوشش کی، اور ہمارے عقائد واعمال کو تبدیل کرنے کے درپے ہوگئے، انگریز بڑے مدبر و ہوشیار تھے، اللہ جل شانہ نے اس وقت ہمارے اکابر کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اس انگریزی اور مغربی تہذیب کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدارس قائم کرو، چنانچہ ان حضرات نے مدارس قائم کئے، اوران کے مساعی سے مدارس کا یہ سلسلہ قائم ہوا، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد وغیرہ مدارس اسی زمانے میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے قائم کئے، اللہ جل شانہ نے بڑی مدد فرمائی، انگریز اپنے منصوبے میں ناکام رہے، اوران کی اسکیم پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکی، اوران مدارس کی برکت سے بہت سے لوگوں نے دین کو اپنایا، اوراس پر استقامت دکھائی، حالانکہ ان اکابر کے پاس نہ مال تھا، نہ حکومت تھی، البتہ ان سو برس میں انگریزوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کو دین سے ضرور برگشتہ کیا، اور آہستہ آہستہ ان کی تہذیب و ثقافت نے نوجوان وعوام الناس کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کرلیا، اوراس قدر متاثر کیا کہ حالت بدل گئی، اسی فتنہ ومرض کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام کو جاری

فرمایا، اب اس کی قدردانی یہ ہے کہ ہمیں پوری توجہ اس کی طرف کرنی چاہئے، اس لئے کہ جب کسی بیماری کا کوئی علاج تجویز ہوجائے اگر اس پر استقامت دکھائے گا تو کامیاب ہوگا، ورنہ اپنا ہی نقصان ہوگا۔

آج سے سو برس پہلے عام طور پر قلوب میں دین اور علم دین کی عظمت وقدر تھی، ہر گھر میں مدرسہ تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب یہ مدارس قائم ہوئے تو ان کا نام سنتے ہی لوگ انکی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوئے، مگر آج ایک صدی گذرنے کے بعد انگریزی اثر نے ہمارے مدارس وخانقاہوں اور مکاتب سے عام بے توجہی پیدا کردی ہے، اس کی بناء پر اس کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے گھروں پر جاجا کر انہیں متوجہ کیا جائے، کیونکہ پہلے جب لوگ کسی شیخ کا نام سن لیتے تھے تو خود بخود اس کی طرف آتے تھے، اور فیض یاب ہوتے تھے، یہی حال مجالس ذکر ومدارس ومکاتب کا تھا، مگر آج حالات بدل گئے، اس لئے تبلیغ کی ضرورت پڑی، مشرق ومغرب میں ہر جگہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، کہ تبلیغ کی برکت سے لوگ دین کی طرف متوجہ ہورہے ہیں۔

مدارس وخانقاہیں اس وقت مفید ہوں گی جب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں، اور اس کے لئے تبلیغ ہے، بغیر لوگوں کی توجہ کے کوئی نفع اٹھانے کے لئے نہیں آئے گا، (مجلس میں ترکی کی جماعت تھی) میرا مشورہ ہے کہ یہاں سے "ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ" کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اور ترکی میں ترجمہ کراکے اس کو سمجھو اس میں سب تفصیل آگئی ہے۔

موجودہ دور میں جس طرح دین کمزور ہورہا ہے، اسی طرح مطابع کی کثرت کی بنا پر نئی نئی مطبوعات طبع ہو ہو کر آرہی ہیں، حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے

حیدرآباد سے ''سنن بیہقی'' کا ایک نسخہ نقل کرایا تھا، اس کے بعد میرے حضرتؒ نے گنگوہ سے ان کی نقل کرا کے مدرسہ مظاہر علوم کے کتب خانہ میں داخل کردیا، اس کو مولانا ثابت علی صاحب مہتمم مدرسہ بڑی مشکل سے کسی کو دیکھنے کے لئے دیتے تھے، حضرت اقدس سہارنپوریؒ کو ''البدایہ والنہایہ'' کو دیکھنے کا بہت شوق تھا، مگر اس زمانے میں حسرت ہی رہی، ''مصنف عبدالرزاق'' اور بہت سی وہ کتابیں جن کا مولانا عبدالحئی صاحب نے ''الفوائدالبہیۃ'' میں ذکر فرمایا ہے، طبع ہوکر آ رہی ہیں۔

مولانا ثابت علی صاحب مہتمم فرماتے تھے کہ ''مولانا زکریا! جوں جوں استعدادیں گرتی جارہی ہیں، سندیں اتنی ہی لمبی ہورہی ہیں، میرے پاس بعض اکابر کی سندیں موجود ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ ان کا فوٹو چھاپ دوں''، بہرحال میں بیان کررہا تھا کہ پہلے زمانے میں دینداری تھی، ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے مسلمانوں سے کارتوس کے بارے میں کہا کہ ''اس میں سُوَر کی چربی رہتی ہے، اور ہندوؤں سے کہا کہ اس میں گائے کی چربی رہتی ہے'' یہ انگریزوں کی سیاست تھی۔

اسی زمانے کا ایک قصہ ہے کہ رائے پورے کے نہر کی کھدائی ہورہی تھی اس میں سونے کا ایک ڈلا ملا، نانوتہ کے قریب ڈپٹی کلکٹر کا خیمہ پڑا تھا، چنانچہ مزدور ایک سقاء کے سر پر رکھ کر ڈپٹی کے پاس لے گئے، اور اس کے سامنے رکھ دیا، وہ بہت ہی گھورتا رہا، اور تعجب کرتا رہا، اس کے بیس برس کے بعد وہ ڈپٹی مظفر نگر میں کلکٹر ہوکر گیا، تو اس کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک سقاء نے ایک لڑکی کے کان سے سونے کی بالی نکال لی ہے اور اس کو کنوئیں میں ڈال دیا ہے، جب کلکٹر نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس سقاء نے کہا کہ ''میں نے سونا سمجھ کر نکالا تھا، مگر بعد

میں معلوم ہوا کہ وہ پیتل کی ہے، اس لئے کنوئیں میں ڈال دیا'' وہ کلکٹر بہت دیر تک بیٹھ کر غور کرتا رہا اور اس سقاء کو پہچان لیا، اور کہا کہ ''تم ہی تو نانوتہ میں میرے پاس سونے کا ڈلا لائے تھے؟'' اس نے اقرار کیا، اس نے کہا کہ ''یہ فرق کیوں ہو گیا ہے؟'' سقاء نے کہا کہ ''اس زمانے میں دوسرے کی چیز اپنے پاس رکھنی مشکل تھی مگر اب وہ بات جاتی رہی''، اس انگریز کلکٹر نے اس کو چھوڑ دیا، اور کہا کہ ''میں اپنی قوم انگریز کو مجرم سمجھتا ہوں''۔

گنگوہ میں ایک مولانا احمد علی صاحب تھے، ان کی ایک کتاب مناجات پر ہے، وہ بوڑھے اور معذور تھے، ان کو میں نے بھی دیکھا ہے، میں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ مولانا احمد علی صاحب نے یہ قصہ سنایا کہ: ''گنگوہ میں لال مسجد کے پاس سے ایک فوجی گذرا، اور اس نے مسجد کو سلام کیا، میں نے لڑکوں کے ذریعہ اس کو اپنے پاس بلا کر بیٹھایا، اور اس سے پوچھا کہ ہم نے سب کچھ سنا، مگر یہ نہیں سنا کہ کسی نے مسجد کو سلام کیا ہو؟'' اس نے کہا کہ ''اللہ کا گھر ہے'' جب میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا ''کوئی دس برس ہوئے میں اپنے گھر سے والد صاحب سے لڑ کر بھاگ گیا تھا تنومند آدمی تھا، سہارنپور جا کر فوج میں بھرتی ہو گیا، چونکہ فوجی لوگ کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے لوٹ جھپٹ کر سو اشرفیاں میں نے جمع کی تھیں، چنانچہ عرصے کے بعد جب میں واپس ہوا تو اس مسجد کے پاس آ کر نہایا، جب اپنے وطن لکھنوتی پہونچا تو معلوم ہوا کہ مسجد میں ہمیانی چھوٹ گئی ہے، میں پریشان واپس آیا اور تلاش کیا، مگر نہیں ملی، اس لئے جب اس مسجد کے پاس سے گذرتا ہوں تو اس کو سلام کرتا ہوں'' مولانا نے فرمایا کہ وہ دیکھو چھپر ہے آٹھ دس برس سے کوئی چیز اس میں لٹک رہی ہے،

اس زمانے میں دیانت بہت تھی اس کو جا کر کھولا تو سو اشرفیاں تھیں، وہ بہت خوش ہوا، اور اس میں سے دس اشرفی مولانا کو دینا چاہا مگر مولانا نے انکار فرمادیا۔

بیعت کا طریقہ:

حضرت اقدس مدفیوضہم عام دنوں میں مغرب کے بعد اور جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے کی مجلس میں بیعت فرماتے ہیں، اور رمضان المبارک میں عشاء کی اذان سے پہلے بیعت فرماتے ہیں، بیعت ہونے والوں کی کثرت کی بنا پر رمضان المبارک میں اور جمعہ کے دن کوئی خاص خادم عام طور پر مولوی احمد لولات مکبر کی طرح توبہ کے الفاظ دہراتے ہیں، اور بیعت کرنے والے ان کو ادا کرتے ہیں، اس وقت عجیب منظر ہوتا ہے۔

خطبۂ ماثورہ کے بعد آیت ''إن الذین یبایعونک سے اجراً عظیما'' تک تلاوت فرماتے ہیں، اور ان الفاظ سے توبہ کراتے ہیں، کہو بھائی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں، ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر، اور آخرت کے دن پر، اور تقدیر پر بھلا ہو یا بُرا سب اللہ کی طرف سے ہے توبہ کی ہم نے کفر سے، شرک سے، بدعت سے، نماز چھوڑنے سے، زنا کرنے سے، لواطت کرنے سے، جھوٹ بولنے سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان باندھنے سے، کسی کی غیبت کرنے سے، اور ہر گناہ سے، چھوٹا ہو یا بڑا، اور عہد کیا ہم نے انشاء اللہ کوئی گناہ نہیں کریں گے، اور جو ہو جائے گا، توبہ کریں گے، یا اللہ، یا اللہ، یا اللہ، ہماری توبہ قبول فرما، ہمیں اپنے سچے بندوں میں شامل فرما، ہمیں توفیق عطا فرما اپنی رضا

مندی کی، اپنے پاک رسول کی تابعداری کی، بیعت کی ہم نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے زکریا کے ہاتھ پر۔

اس کے بعد فرماتے کہ دعا کرو بھائی، اللہ تمہیں بھی توفیق دے اور مجھے بھی، اور دعا کے بعد فرماتے کہ معمولات کا پرچہ اردو، گجراتی، انگریزی میں طبع ہو چکا ہے، اس کو اپنے ساتھ لے لیں۔

ختم خواجگان:

حضرت کے یہاں ماہ مبارک میں اس کا اہتمام رہتا ہے اور اس کے بعد کوئی صاحب دعا کراتے ہیں، جس میں خصوصیت کے ساتھ امت کے لئے دعا مانگی جاتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمام شرکاء ختم دس دس مرتبہ درود شریف پڑھیں، اس کے بعد مجموعی طور پر تین سو ساٹھ مرتبہ "**لا ملجأ و لا منجا من الله الا اليه**"، پھر تین سو ساٹھ بار مع بسم اللہ سورہ الم نشرح، پھر تین سو ساٹھ مرتبہ **لا ملجأ و لا منجا من الله الا اليه**، پھر دس دس مرتبہ سب لوگ درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔

طالب صادق کی کامیابی یقینی ہے:

ارشاد فرمایا: اصل چیز اخلاص ہے، جس کی وجہ سے پیر کا نا اہل ہونا بھی مرید کے اخلاص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا، چنانچہ میں نے اپنے والد صاحبؒ سے ایک قصہ سنا تھا کہ ایک ڈاکو تھا جب تک شباب وقوت رہی خوب ڈاکے مارے، لیکن جب ضعف و پیری لاحق ہوئی، اور اعضاء نے جواب دے دیا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے، ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بے محنت، مشقت خوب مزے اڑتے ہیں، قصہ تو طویل ہے،

اس مصنوعی پیر کی لغویات کے ساتھ ایک سچا طالب حق اس کے پاس پہونچا، یہ اپنی لغویات میں مشغول تھا، مگر اس کی طلب اور صدق نیت نے پیر کی خرافات کی طرف توجہ بھی نہ ہونے دی، اس نے جا کر بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا ''میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں'' وہ چونکہ غلطی سے ناواقف جگہ پہونچ گیا تھا، اس لئے وہ اس کے بعد بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا، اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا، یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا، اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی گولوں کو صاف کرو، اس کی ڈولیں بناؤ اور نالیاں درست کرو، وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر تحقیق کرتا ہوا، اس باغ میں پہونچا اور اس کی مرمت شروع کر دی، باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے، اس نے بہت منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ لینا نہیں، مجھے میرے پیر نے اس باغ کو صاف کرنے کو اور مرمت کرنے کو کہا ہے، اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی، مگر یہ دیکھ کر کہ یہ نہ کھانے کو مانگتا ہے، نہ اور کچھ جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے کھا لیتا ہے، تین مہینے اسی حال میں گذر گئے۔

مشہور یہ ہے کہ ابدال میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو غوث وقت کی مجلس میں اس کا بدل منتخب ہوتا ہے، چنانچہ کسی ابدال کا انتقال ہوا، اور غوث کی مجلس میں انتخاب کے لئے ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے، حضرت غوث نے سب کے نام سن کر یہ کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے، اگر تم پسند کرو سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے، سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے،

سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا، پھر سب نے مع حضرت غوث اس پر توجہ ڈالی، جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے، اور طی الارض کرتا ہوا، اور پھاوڑا باغ والوں کے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے، جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جارہا ہوں، ہر چندان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے، مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا، اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا، یہی مطلب ہے اس مشہور مقولہ کا کہ ''پیر من خس است اعتقاد من بس است'' اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

خاتمہ

حضرت اقدس مدفیوضھم کے ارشادات وملفوظات کواسی پر ختم کر رہا ہوں، اگر چہ ان کی ترتیب وغیرہ کا کام میں نے گذشتہ سال ہی مکمل کرلیا تھا، مگر کتابت و طباعت کی دشواریوں کی بنا پر کافی تاخیر ہوگئی، میرے بہت سے بزرگوں و دوستوں نے ان کے مطالعہ وزیارت کے اشتیاق کا اپنے خطوط کے ذریعہ اور زبانی اظہار فرمایا، اوران کی اشاعت کے لئے دعا گو رہے، بالخصوص محترم المقام مولانا سید آفتاب احمد مدنی صاحبزادۂ گرامی فخر المحدثین حضرت مولانا میرٹھی نوراللہ مرقدہ، جنہیں حضرت اقدس سے والہانہ تعلق ومحبت ہے، اسی طرح مولانا غلام محمد نورگت صاحب (ترکیسر) اور مولانا یوسف ٹوٹلا ساؤتھ افریقہ اور برادرم مولانا محمد الحسنی مدیر ''البعث الاسلامی'' لکھنؤ نے ان کی ترتیب واشاعت کے لئے ہر طرح کی حوصلہ افزائی فرمائی، یہ ناکارہ ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ناکارہ کی خطاؤں ولغزشوں کو درگذر فرماکر ان ملفوظات اور صاحب ملفوظات کی برکات سے سرفراز فرمائے، واللہ ولی التوفیق۔

فقط

تقی الدین ندوی مظاہری

مقیم آستانہ خلیلیہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

یوم دوشنبہ ۲۶/ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ